بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین

رسالہ

ردِّ بدعات

جس میں مندرجہ ذیل مسائل کی پوری تحقیق ہے

اسقاط میت - میت کو دفن کرکے چالیس قدم پر دعا کرنا - اہل میت کے گھر فاتحہ کیلئے جمع ہونا - اہل میت کا دریا پر نہانا - اہل میت کے گھر کچھ روز تک گوشت نہ آنے دینا - بچہ کے ختنہ کے وقت تلوار لے کر کھڑے ہونا اور بچہ کو ٹوکری میں رکھکر بکری کے سر پر بٹھانا - خطبہ میں سنتیں پڑھنا - مسئلہ توسل - ذکر لا الہ الا اللہ جمع ہوکر ختم انبیاء تمام رات پڑھنا - اذان میں محمدؐ کے نام پر انگوٹھے چومکر آنکھوں پر ملنا - ظہر احتیاطی پڑھنا - انگریزی بال رکھنا - ڈاڑھی منڈانا - گیارہویں پیران پیر - کھانے پر ختم - سماع موتی - قبوں کا گرانا - حدیث قرن شیطان - اہل نجد کا ذکر - معنیٔ بدعت - مسئلہ تقلید -

مصنفہ عبداللہ امرتسری (مولوی فاضل) پبلشر

۱۳۴۷ھ ۱۹۲۹ء

طبع ۳ بار ملنے کا پتہ :- ناظم مدرسہ اہل حدیث روپڑ ضلع انبالہ قیمت ۳؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوالات

(۱) اسقاط میت جائز ہے یا نہ۔ کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ میت کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں؟۔

(۲) میت کو دفن کر کے قبرستان سے باہر آکر چالیس قدم پر دعائے خیر کرنا جائز ہے یا نہ؟

(۳) اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک متواتر روزانہ صبح و شام بغرض فاتحہ جمع ہونا جائز ہے یا نہ؟

(۴) میت کے وارثوں کا چار روز کے بعد دریا پر جا کر بغرض پاک و صاف ہونے کے نہانا اور کپڑے دھونا جائز ہے یا نہ؟

(۵) اہل میت کے مکان پر کچھ روز تک گوشت نہ آنے دینا جائز ہے یا نہ؟

(۶) بچہ کے ختنہ کے موقعہ پر تلوار لیکر کھڑے ہونا۔ اور بچہ کو ٹوکری میں رکھ کر بکرے کے سر پر بٹھانا جائز ہے یا نہ؟

(۷) خطبۂ ثانیہ میں سنتوں کے لئے کھڑے ہونے کا ثبوت شرع میں ہے یا نہ؟

(۸) مسئلہ توسل شرع میں کس طرح ہے؟

(۹) ذکر لا الہ الا اللہ کا ختم انبیا تمام رات مجتمع ہو کر کرنا درست ہے یا نہ؟ نیز اذان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنے کیسے ہیں؟

(۱۰) ظہر احتیاطی پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۱۱) انگریزی بال رکھنا جیسے آج کل اکثر نوعمر وغیرہ رکھتے ہیں۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

(۱۲) داڑھی منڈانا شرع میں کیسا ہے؟

(۱۳) گیارہویں پیران پیر کی جو اکثر لوگ کرتے ہیں۔ اس کا شرع میں کیا ثبوت ہے؟

(۱۴) طعام پر ختم دینا جو آج کل رواج ہے یہ بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۵) قبروں میں مردے سنتے ہیں یا نہیں؟

جوابات

از حافظ عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ (مولوی فاضل)

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ

(۱) اسقاط میت تین وجھوں سے ناجائز ہے۔ اوّل یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیر القرون میں یعنی صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں اسقاط میت کا نام ونشان نہ تھا۔ حالانکہ ہمیشہ اس زمانہ مسعود میں اموات ہوتے تھے۔ مگر باوجود اس کے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے نہ تابعین سے نہ تبع تابعین سے نہ ائمہ دین سے اگر اس طریق سے گناہ معاف ہوتے تو کیا ان کو گناہ کی معافی کی ضرورت نہ تھی۔ یا وہ میت کے خیر خواہ نہ تھے۔ یا ان کو نیک کاموں کا شوق نہ تھا جب یہ سب باتیں تھیں۔ بلکہ ہم سے بڑھکر وہ ایسی باتوں کا خیال رکھتے تھے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ خیر القرون میں اس کا ثبوت نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسقاط سے میت کے گناہ معاف نہیں ہوتے۔ اور جب میت کے گناہ معاف نہ ہوئے۔ تو اس کا کرنا فضول ہوا اور فضول کام کو نیک کام سمجھکر کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اس کے رسول پر افترا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار (مشکوٰۃ) یعنی جو مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس کام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع بھی نہ ہو۔ پھر اس کو کوئی نہ کرے تو وہ قطعی بدعت ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد (مشکوٰۃ) یعنی جو ہمارے دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ ایسا شخص لعنتی ہے۔ بلکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر نیا کام دین میں مردود ہے۔ خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ پس اسقاط کرنے والوں کو چاہئے۔ کہ یا تو خیر القرون سے اس کا ثبوت دیں یا خدا سے ڈریں۔ اور ایسے کاموں سے باز آئیں۔ جو بجائے ثواب کے خدا کی ناراضگی کا باعث ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ان اللہ لاینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم (مشکوٰۃ) یعنی اللہ تعالےٰ تمہاری صورتوں

اور مالوں کو نہیں دیکھتا۔ لیکن تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے یہاں وہ بات قدر رکھتی ہے جو دل سے ہو۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ اسقاط میں جب قرآن مجید پھرایا جاتا ہے۔ تو دل سے نیت بخشنے کی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر چکر پورا نہ ہو۔ اور درمیان میں ہی ایک شخص ایک چلا جائے۔ اور کہے کہ جب مجھے بخش دیا گیا ہے۔ تو میری مرضی کسی کو بخشوں یا نہ۔ تو اسقاط کرنے والے اس کو برا منائیں گے۔ بلکہ کہیں گے۔ کہ اسقاط نہیں ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ بخشنا برائے نام ہے۔ اور اللہ کو ایک طرح دھوکا دینا ہے۔ بھلا ایسے عمل سے اللہ خوش ہوگا یا ناراض؟

بمبئی کی طرف بہت لوگ حیلوں سے زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تمام روپوں کی زکوٰۃ نکال کر ایک گھڑے میں ڈال کر اوپر سے گیہوں سے بھر کر فقیر کو دے دیتے ہیں۔ پھر فقیر کو کہتے ہیں۔ کہ تم ان دانوں کو کیا کرو گے۔ روپیہ دو روپیہ سے ہم کو فروخت کر دو۔ فقیر بیچارے کو کیا معلوم کہ دانوں کے نیچے روپے ہیں۔ وہ بیچارہ روپیہ دو روپے غنیمت سمجھ کر بڑی خوشی سے فروخت کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ دینے والے یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہماری زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ کیونکہ ایک مرتبہ فقیر کے سپرد کر دی ہے۔ آگے وہ اپنی خوشی سے جس پر چاہے فروخت کردے۔ اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اس دھوکے سے فقیر تو دھوکا کھا سکتا ہے۔ مگر علام الغیوب تو دھوکا نہیں کھا سکتا۔ اب اسقاط کرنے والے بھی خدا کو دھوکہ سے خوش کرنا چاہتے ہیں۔ کہ لفظ بخشش کا بولتے ہیں۔ اور اندر نیت نہیں ہوتی۔ مگر یاد رہے کہ جو خدا سے دھوکہ کریگا۔ وہ خود دھوکہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یخادعون اللہ وھو خادعھم یعنی وہ اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور اللہ ان کو دھوکہ دیتا ہے۔ یعنی وہ اس فعل کے سبب سے دھوکے میں ہیں۔

(۲) ابوداؤد میں حدیث ہے۔ عن عثمان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ وقال استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ التثبت فانہ الآن یسئل (ترجمہ) یعنی عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے بخشش مانگو اور ثابت قدمی کا سوال کرو۔ کیونکہ وہ اس وقت سوال کیا جاتا ہے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ سنت طریق یہ ہے کہ وہیں کھڑے ہو کر بخشش کی دعا مانگی جائے۔ اور ثابت قدمی کا سوال کیا جاوے۔ چالیس قدم پر آکر دعا کرنا سنت کے خلاف ہے۔ اور بدعت ہے۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق چھوڑ کر اپنی طرف سے کوئی طریقہ جاری کرے وہ رسول کی امت سے نہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ تین شخصوں نے عہد کیا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ رات کو نماز پڑھوں گا۔ یعنی سوؤں گا نہیں۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ

روزے رکھوں گا کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر ڈانٹا۔ اور کہا میں تم سے زیادہ پرہیزگار ہوں پھر میں سوتا بھی ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں۔ افطار بھی کرتا ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں۔ کیا تم مجھ سے زیادہ پرہیزگار بننا چاہتے ہو؟ پھر آخر میں فرمایا۔ من رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو میرے طریقہ سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

(۳) مسند احمد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے۔ کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت وصنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ (ترجمہ) یعنی اہل میت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل میت کے گھر میں جمع ہونا نوحہ (یعنی رونے پیٹنے) میں داخل ہے۔ نیز پہلے روز یا تیسرے روز یا ساتویں روز یا چالیسویں یا ششماہی یا سالانہ جو کھانا پکتا ہے یہ بھی نوحہ میں داخل ہے۔ اور ابوداؤد میں حدیث ہے۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے"۔ اب جو لوگ اہل میت کے گھر میں صبح وشام جمع ہوتے ہیں۔ ان کو اس بات سے توبہ کرنی چاہیے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ ان کا یہ فعل نوحہ میں داخل ہو کر لعنت کا باعث ہو جائے۔ ثواب حاصل کرتے کرتے عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔ اور آیہ کریمہ ویحسبون انھم یحسنون صنعا کے نیچے آجائیں۔ یعنی سب سے زیادہ ٹوٹے والے ہو جائیں۔

(۴) چوتھے روز دریا پر کپڑے دھونے کی وجہ یہی ہے۔ کہ ماتم کو نجاست کا سبب سمجھتے ہیں۔ تو اس بنا پر بدن پہلے پلید ہوں گے۔ کیونکہ ماتم کا اثر پہلے بدن پر پڑتا ہے۔ پھر کپڑوں پر تو یہ لوگ اتنے روز تک پلید بدن اور پلید کپڑوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہوں گے۔ اور اسی طرح پلیدی کی حالت میں مسجدوں میں آتے جاتے ہوں گے۔ بلکہ ان کے نزدیک میت کا بدن اور کفن بطریقہ اولیٰ پلید ہوتا ہوگا۔ یہاں تک کہ غسل سے بھی پاک نہیں ہوتا ہوگا۔ کیونکہ ماتم اسی کی جانب سے آیا ہے۔ اور اس سے معاذاللہ لازم آئیگا۔ کہ سب بزرگ پلید ہی دفن ہوتے ہوں۔ اور پلیدی کی حالت میں ان کا جنازہ پڑھا جاتا ہو۔ اسی طرح معاذاللہ ماتم کے دنوں کا کھانا پینا بھی پلید ہوگا۔ کیا یہ مسلمانوں کا عقیدہ ہو سکتا ہے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔ جن کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ماتم کو سبب طہارت گناہ قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ نجاست سمجھتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے "مایصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ"

یعنی مسلمان کو کوئی نقصان کوئی بیماری کوئی فکر کوئی صدمہ کوئی تکلیف کوئی غم نہیں پہونچتا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کے ساتھ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ یعنی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دیکھیے مصیبتوں کے ساتھ انسان کیسا پاک ہوتا ہے۔ اب جو اس کے الٹ عقیدہ رکھے۔ وہ رسول کے ماننے والا ہوا یا منکر؟

(۵) یہ کام چونکہ خاص طور پر ہندوؤں کے ہاں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی مسلمان اون کی مشابہت کریگا۔ تو انہیں میں شامل ہوگا۔ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جو کسی قوم سے مشابہت کرے۔ وہ انہیں میں سے ہے۔ اس قسم کی روایتیں بہت ہیں۔ جن کی یہاں گنجائش نہیں۔ اس لئے ہم ایک آدھ حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔

عن عمران بن حصین وابی برزۃ قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فرای قوما قد طرحوا اردیتھم یمشون فی قمص فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابفعل الجاھلیۃ تاخذون او بصنیع الجاھلیۃ تشبھون لقد ھممت ان ادعو علیکم دعوۃ ترجعون فی غیر صورکم قال فاخذوا اردیتھم ولم یعودوا لذٰلک۔

(ترجمہ) یعنی عمران بن حصین اور ابی برزہ سے روایت ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنازہ میں نکلے۔ آپ نے ایک قوم کو دیکھا جنہوں نے چادریں اتار رکھیں تھیں۔ صرف کرتوں میں جا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹ کر فرمایا۔ کیا جاہلیت کا فعل لیتے ہو۔ کیا جاہلیت سے مشابہت کرتے ہو۔ میں نے قصد کیا کہ تم پر ایسی بددعا کروں جس سے تمہاری صورتیں مسخ ہو جائیں۔

راوی کہتا ہے۔ کہ حضور کے ڈانٹنے پر انہوں نے چادریں لے لیں۔ اور پھر اس کام کیلئے نہیں لوٹے۔

(۶) مشکوٰۃ میں ہے "عن سمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الغلام مرتھن بعقیقتہ تذبح عنہ یوم السابع ویسمی ویحلق راسہ" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لڑکا عقیقہ (نہ کرنے کے) باعث بند ہے ساتویں روز عقیقہ کیا جاوے۔ اور نام رکھا جاوے اور سر منڈایا جائے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ اور لڑکی کی طرف سے ایک نیز مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال عق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الحسن بشاۃ وقال یا فاطمۃ احلقی راسہ وتصدقی بزنۃ شعرہ فضۃ فوزناہ فکان وزنہ درھما او بعض درھم۔ یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کی طرف سے بکری کا عقیقہ کیا۔ اور فرمایا اے فاطمہ اس کا سر منڈا کر

بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کر ہم نے بال تولے ایک درہم قدر یا بعض درہم قدر ہوئے۔ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ لڑکے کا تصدق دو چیزیں ہیں۔ ساتویں دن عقیقہ کرنا۔ اور اس کے بالوں کے برابر چاندی دینا۔ اور تلوار لیکر کھڑے ہونا بالکل لغو حرکت ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اس میں سکھوں سے مشابہت ہے۔ کیونکہ وہ لوہے کو محافظ سمجھتے ہیں۔ اگر لوہا محافظ ہوتا۔ تو فوجی کوئی نہ مرتا۔ اب جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تصدق بتایا ہوا نہ کرے۔ اور اپنی طرف سے تصدق بنا کر اس پر عمل کرے اور بیجا حرکات کا مرتکب ہو۔ وہ مسلمان کہلانے کا مستحق کس طرح ہو سکتا ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب تک تم اپنی خواہش کو میرے تابع نہ کرو گے۔ تم ایمان والے نہیں ہو سکتے۔ ایک روایت میں ہے مجھے اس ذات کی قسم ہے۔ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر اب موسیٰ علیہ السلام موجود ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی تابعداری کرتے تو گمراہ ہو جاتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی میری تابعداری کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

جب اس قدر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تابعداری کی تاکید فرماتے ہیں۔ تو پھر کونسا مسلمان ہے۔ کہ کلمہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھے۔ اور کرے وہ جو اس کے جی میں آئے۔ ہاں جب تک بیخبری رہی۔ اللہ معاف کرے۔ آئندہ کیلئے ہوشیار ہو جانا چاہئے۔ اور ہر معاملہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو مقدم جاننا چاہئے۔ ختنہ میں بہت سے نئے کام لوگ کرتے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر نو سوال میں ہے۔ بعض کا ذکر سوال میں نہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ پر دور دور کے رشتہ دار اور قریبی بلائے جاتے ہیں۔ اور عام ضیافت ہوتی ہے۔ جس کا نام سنتیں رکھتے ہیں۔ بلکہ نیوتہ (ریہا) لیا جاتا ہے۔ حالانکہ عہد نبوی کے بالکل خلاف ہے۔ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۱۷ میں روایت ہے۔ کہ حضرت عثمان بن ابی العاص ختنہ کی ضیافت میں بلائے گئے۔ تو قبول نہ کی اور فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی۔ اب بھی اگر مسلمانوں کی خوش قسمتی ہو۔ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پابند ہو جائیں۔ اور اپنی رسم و رواج قومی کو چھوڑ کر ان فضول خرچیوں سے بچے رہیں تو کیا اچھا ہو۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔

(۷) مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یخطب اذا جاء احدکم والامام یخطب فلیرکع رکعتین ولیتجوز فیھما۔ یعنی جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا۔ جب تم سے کوئی آئے۔ اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو۔ تو ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ لے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اول خطبہ کی یا دوسرے کی کوئی

شرط نہیں۔ بلکہ جب آئے پڑھے مسلمان کو چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں اپنی طرف سے ذرا کم و بیش نہ کرے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہ کی شان تھی جیسے مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔ اجلسوا یعنی بیٹھ جاؤ۔ عبد اللہ بن مسعود آ رہے تھے مسجد کے دروازے میں تھے۔ کہ یہ ارشاد ان کے کان میں پڑا وہیں بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد اللہ آگے آجا۔ پھر آگے آگئے۔ سو مسلمان کی یہی شان ہونی چاہیئے۔ کہ فرمان نبوی کے سامنے ذرا چون چرا نہ کرے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں سنت نبوی کا شوق دے۔ تاکہ بغیر کمی بیشی کے عامل ہو جائیں۔ آمین۔

(۸) مسئلہ توسل کی بابت آیہ کریمہ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اور وسیلہ کے معنی یہ بیان کئے جاتے ہیں۔ کہ بزرگوں کو اور پیروں فقیروں کو وسیلہ بناؤ۔ مگر ہم حیران ہیں۔ کہ یہ معنی وسیلہ کے نہ تو قرآن و حدیث میں لکھے ہیں۔ نہ کسی لغت کی کتاب میں ملتے ہیں۔ نہ کسی صحابی یا امام سے منقول ہیں۔ پھر کیا مسلمان کی یہی شان ہے۔ کہ محض اپنی رائے یا قیاس سے ایک معنی تجویز کر کے اللہ کی مراد قرار دے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من قال فی القراٰن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنی جو قرآن میں اپنی رائے کا دخل دے وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنائے۔

اب ہم قرآن و حدیث سے وسیلہ کے معنی بتلاتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ جو سچا مسلمان ہے وہ ضرور سر جھکا دیگا۔ قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیۃ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب و یرجون رحمتہ و یخافون عذابہ (ترجمہ) یعنی "وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں۔ وہ خود اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں۔ جونسا ان میں بہت نزدیک ہے۔ اور اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں"۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنا کوئی اللہ کا زیادہ نزدیکی ہے۔ اتنا ہی وہ اللہ کی طرف زیادہ وسیلہ کا طالب ہے۔ مثلاً عیسےٰ علیہ السلام یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بہت نزدیکی ہیں۔ یا فرشتوں میں جبرئیل علیہ السلام اللہ کے بہت نزدیکی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسا وسیلہ ہے۔ جس کے طالب اتنے بڑے بڑے لوگ ہیں۔ اگر کہیں کہ یہ اور نبیوں اور ولیوں کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ تو یہ ان کی سخت بے ادبی ہے۔ کیونکہ وسیلہ تو اپنے سے بڑے کا ہوتا ہے۔ تو آخر یہی کہنا پڑے گا۔ کہ وسیلہ سے مراد قرب الٰہی ہے۔ اور اسی

کے سب چھوٹے بڑے طالب ہیں۔ اور یہی معنی لغت کی کتابوں میں لکھے ہیں۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ الوسیلۃ والواسلۃ المنزلۃ عند الملک والدرجۃ والقربۃ و وسّل الی اللہ تعالیٰ توسیلاً عمل عملاً تقرب بہ الیہ (ترجمہ) وسیلہ اور واسلہ کے معنی مرتبہ کے ہیں۔ جو بادشاہ کے پاس ہوتا ہے۔ اور درجہ کے ہیں۔ اور قرب کے ہیں۔ اور (عرب لوگ کہتے ہیں) اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈا یعنے ایسا عمل کیا جس سے اللہ کی طرف قریب ہوگیا۔" اور قرب الٰہی ڈھونڈھنے کا طریقہ بھی یہی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلا گئے ہیں چنانچہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ سب سے بڑھکر قرب الٰہی ڈھونڈنیکا طریقہ اللہ کے فرائض ہیں۔ یعنی انسان نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلام کا پورا پورا عامل ہو رہے۔ پھر فرمایا کہ انسان نفل نوافل کے ذریعہ سے اللہ کا قرب ڈھونڈتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تمام طاقتیں اللہ کی طاقتیں ہوجاتی ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی مرضی کے بغیر اپنے سننے دیکھنے اور دیگر طاقتوں کو کسی جگہ صرف نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جب یہ چیزیں اللہ کی ہوگئیں۔ تو اسی کے حکم میں صرف ہوں گی۔ اور ویسے تو ہماری طاقتیں بھی اللہ ہی کی ہیں۔ کیونکہ ہر چیز اللہ ہی کی ہے۔ مگر ہم سے پورے طور پر اس کی مرضی میں صرف نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ بہت دفعہ خواہش نفسانی کا غلبہ ہو کر مخالفت کر بیٹھتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ہماری طاقتوں کو اپنی نہیں فرماتا۔ اور جو قرب الٰہی میں ترقی کرجاتے ہیں۔ وہ مخالفت نہیں کرسکتے۔ اس لئے ان کی طاقتیں اس لائق ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی اپنی طرف نسبت کرے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جو زمین میں آہستگی سے چلتے ہیں۔ یعنی تکبر نہیں کرتے اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں۔ یعنی جھگڑتے ہیں۔ تو ان کو جدائی کا سلام کہتے ہیں۔" دیکھیئے اس آیت میں اپنے خاصوں کو اللہ نے اپنے بندے کہا۔ حالانکہ سب اللہ کے بندے ہیں۔ مگر چونکہ عام طور پر بندے بندگی کا حق ادا نہیں کرتے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ ان کو اپنے بندے نہیں فرماتا اور خاص فرمانبرداروں کو اپنے بندے فرماتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو معنی وسیلہ کے قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔ وہی لینے چاہئیں اور جو طریقہ قرب الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاگئے۔ اُسی کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے۔ اس کے سوا نجات کی کوئی صورت نہیں۔ شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(۹) ذکر کا طریقہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاگئے ہیں۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اور نہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کی بابت مستقل کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں۔ اگر کسی کو شوق ہو۔

تو خرید سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس بارہ میں حزب المقبول ہے۔ جو معہ ترجمہ و حواشی لاہور وغیرہ میں چھپ چکی ہے۔ اور وہ مختصر ہے اور جامع ہے۔ اور قیمت کل آٹھ آنہ ہیں۔ البتہ یہاں پر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہم ذکر کرتے ہیں جو اس محل کے نہایت مناسب ہے۔ جس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ عبادت میں اپنی طرف سے تھوڑا سا دخل دینا بھی سوء خاتمہ کا سبب ہے۔ اور وہ عبادت بجائے کار ثواب کے موجب لعنت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دین میں رائے کا کوئی دخل نہیں۔ دارمی کے صد ۲۶ میں ہے۔

كنا نجلس على باب عبد الله بن مسعود قبل صلوٰة الغداة فاذا خرج مشينا معه الى المسجد فجاء نا ابو موسى الاشعري فقال اخرج اليكم ابو عبد الرحمٰن قلنا لا فجلس معنا حتى خرج فلما خرج قمنا اليه جميعا فقال له ابو موسىٰ يا ابا عبد الرحمٰن انى رايت فى المسجد انفا امرا انكرته ولم ار والحمد لله الا خيرا قال فما هو فقال ان عشت فستراه قال رايت فى المسجد قوما حلقا جلوسا ينتظرون الصلوٰة فى كل حلقة رجل وفى ايديهم حصىً فيقول كبروا مائة فيكبرون مائة فيقول هللوا مائة فيهللون مائة ويقول سبحوا مائة فيسبحون مائة قال فماذا قلت لهم قال ما قلت لهم شيئا انتظار رايك او انتظار امرك قال افلا امرتهم ان يعدوا سيئاتهم وضمنت لهم ان لا يضيع من حسناتهم ثم مضى ومضينا معه حتى اتى حلقة من تلك الحلق فوقف عليهم فقال ما هذا الذى اراكم تصنعون قالوا

(ترجمہ) (یعنی عبداللہ بن مسعود کا شاگرد کہتا ہے) ہم عبداللہ بن مسعود کے دروازہ پر صبح سے پہلے بیٹھے تھے کہ جب نکلیں تو ان کے ساتھ مسجد میں جائیں۔ اتنے میں ابو موسیٰ اشعری آئے فرمانے لگے۔ کیا ابو عبدالرحمٰن (یعنی عبداللہ بن مسعود) نہیں نکلے۔ ہم نے کہا نہیں پھر ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعود نکلے۔ جب نکلے تو ہم سب (مسجد میں جانے کیلئے) انکے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ابو موسیٰ نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن میں نے مسجد میں ایک نئی بات دیکھی ہے۔ الحمدللہ کوئی بری بات نہیں دیکھی۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا کیا دیکھا۔ کہا اگر آپ زندہ رہے تو معائنہ کر لینگے پھر کہا میں نے مسجد میں ایک قوم دیکھی ہے۔ جو حلقے باندھے ہوئے نماز کا انتظار کر رہی ہے۔ ہر حلقہ میں ایک شخص ہے۔ اور ان کے ہاتھوں میں کنکر ہیں۔ درمیانہ شخص کہتا ہے سو مرتبہ تکبیر پڑھو۔ وہ سو مرتبہ تکبیر پڑھتے ہیں۔ پھر کہتا ہے سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر کہتا ہے سو مرتبہ تسبیح پڑھو۔ وہ سو مرتبہ تسبیح پڑھتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا۔ تو نے ان کو کیا کہا۔ کہا میں نے کچھ نہیں

یا ابا عبد الرحمٰن تعد به التکبیر والتھلیل والتسبیح فقال عدوا سیئاتکم فانا ضامن ان لایضیع من حسناتکم شئ ویحکم یا امۃ محمد ما اسرع ھلکتکم ھؤلاء صحابۃ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم متوافرون وھذہ ثیابہ لم تبل وانیتہ لم تکسر والذی نفسی بیدہ انکم لعلی ملۃ ھی اھدی من ملۃ محمد او مفتتحی باب ضلالۃ قالوا واللہ یا ابا عبد الرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیر لن یصیبہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدثنا ان قوما یقرون القران لایجاوز تراقیھم وایم اللہ ما ادری لعل اکثرھم منکم ثم تولی عنھم فقال عمرو بن سلمۃ راینا عامۃ اولئک الخلق یطاعنونا یوم النھروان مع الخوارج

کہا۔ آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔ کہا تو نے ان کو یہ حکم نہ دیا کہ اپنی برائیاں گنو میں تمہاری نیکیوں کا ذمہ وار ہوں کہ ضائع نہیں ہونگی۔ پھر مسجد میں آئے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک حلقے پر کھڑے ہوکر فرمانے لگے تم یہ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے کہا اے ابا عبد الرحمٰن کنکروں کے ساتھ تکبیر، تہلیل، تسبیح گنتے ہیں۔ فرمایا اپنی برائیاں گنو نیکیوں کا میں ذمہ وار ہوں کہ ضائع نہیں ہونگی۔ اے امت محمدؐ تمہیں ہلاکی ہو تمہاری ہلاکت کس قدر جلدی ہے۔ یہ تمہارے نبی کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں۔ اور یہ آپ کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے۔ اور برتن آپ کے نہیں ٹوٹے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کیا تمہارا مذہب محمدؐ کے مذہب سے زیادہ راستی پر ہے۔ کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو انہوں نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن ہم نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔ فرمایا بہت سے خیر کا ارادہ کرنے والے خیر کو کبھی نہیں پہنچیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیث سنائی ہے۔ کہ ایک قوم ہوگی۔ جو قرآن شریف پڑھے گی۔ مگر ان کے حلقوں سے نہیں اترے گا قسم اللہ کی میں نہیں جانتا کہ اکثر یہ تم سے ہوں پھر چلے گئے عمرو بن سلمہ کہتے ہیں۔ کہ اکثر ان لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ نہروان کے دن خارجیوں کی طرف ہوکر ہمارے ساتھ لڑتے تھے"

دیکھئے یہ لوگ نماز کی انتظار میں ذکر خیر کرتے تھے۔ اور یہ کام بالکل نیک ہیں۔ صرف اتنی بات انہوں نے زیادہ کی تھی۔ کہ سو سو کنکر ہاتھوں میں ہیں۔ اور ایک شخص درمیان بیٹھا ہوا کہتا ہے۔ کہ پڑھو تو وہ پڑھتے ہیں۔ اور بظاہر اس میں کوئی ہرج معلوم نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ عبادت میں تھوڑی سی رائے کا دخل بھی بُرا ہے اس لئے اس کا اثر آخر یہ ہوا کہ یہ لوگ خارجی ہوگئے۔ اب جو لوگ اسقاط کرتے ہیں۔ یا چالیس قدم پر دعا کرتے ہیں یا میت کے گھر جمع ہوتے ہیں۔ یا لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اپنی نئی طرز پر کرتے ہیں۔ یا اس قسم کے اور کام کرتے ہیں۔ ان کو اپنی فکر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ کسی مسلمان کا سوء خاتمہ نہ کرے۔ اور موت سے پہلے پہلے سنت نبوی پر قائم ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی عجیب حالت تھی۔ ہمیشہ ان کی یہی کوشش

رہنی تھی کہ دین نبوی ذرا بدلنے نہ پائے جس محل میں آپ نے کوئی بات بتلائی ہے۔ اسی محل پر رہے۔
ترمذی میں حدیث ہے۔

عن نافع ان رجلا عطس الی جنب عبداللہ بن عمر قال الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ قال ابن عمر وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔

(ترجمہ) نافع سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص نے عبداللہ بن عمر صحابی کے پاس چھینک لی اور کہا الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ اس پر عبداللہ بن عمر نے فرمایا۔ کہ میں بھی یہ کہتا ہوں۔ لیکن یہ محل اس کلمہ کا نہیں۔ اس محل پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں الحمد للہ علی کل حال کہنے کی تعلیم دی ہے۔

پس اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ جو شخص مسنون طریقہ میں کمی بیشی کرے وہ شخص مبتدع ہے۔ اور اس کا فعل بدعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بات کی تعلیم کی ہو اس کو اسی طرح کرنا چاہئے ورنہ وہ مردود ہوگا۔ دیکھیے اس شخص کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اگرچہ بظاہر اچھی بات تھی لیکن جب اس نے ایک محل مسنون طریقہ میں اپنی طرف سے والسلام علی رسول اللہ زیادہ کر دیا۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار فرمایا۔ اور کہا کہ یہ محل سلام بھیجنے کا نہیں ہے بلکہ الحمد للہ علی کل حال کہنے کا محل ہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ ہم میت کی روٹی پر ختم پڑھتے ہیں۔ تو کوئی برا فعل تو نہیں کرتے دعائیں اور قرآن شریف کی آئتیں پڑھتے ہیں۔ سو ان لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ جس شخص نے والسلام علی رسول اللہ کہا تھا اس نے کیا برا کیا تھا ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ٹھیک اسی طرح ختم مروج کو سمجھ لینا چاہئے۔ اور نمبر ۳ میں گذر چکا ہے اور نمبر ۴ میں بھی آئیگا کہ اس قسم کا کھانا نوحہ میں داخل ہے۔ جو موجب لعنت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شرعی ثبوت کے بغیر کوئی کام نیکی نہیں بنتا۔ آپ خیال نہیں کرتے۔ کہ پہلے التحیات میں اگر کوئی شخص درود کا کوئی کلمہ پڑھ لے تو کتب فقہ میں اس پر سجدہ سہو لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو منیتہ المصلی وغیرہ تبلایئے یہ کیوں؟ اس لئے کہ شارع نے درود کو پہلے التحیات میں عبادت قرار نہیں دیا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اذان کے سب کلمات چار چار مرتبہ کہے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوتی اسی طرح اگر اذان کے اخیر میں لا الٰہ الا اللہ کے بجائے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہے تو اس میں بھی کوئی برائی معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح رکوع اور سجدے میں قرآن پڑھنے میں بھی کوئی برائی معلوم نہیں ہوتی۔ حالانکہ یہ سب فعل ناجائز ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح ثابت نہیں۔ اس کی

مثال ایسی ہے جیسے کوئی دس روپیہ کے نوٹ پر جہاں دس لکھا ہے۔ وہ بیس لکھکر بازار لیجائے یا ایک تصویر کے عوض ویسی دو تصویریں بنا کر بازار لیجائے۔ تو بجائے زیادہ ملنے کے اصل رقم بھی ضائع گئی۔ کیونکہ شاہی سکہ توڑ دیا۔ ٹھیک اسی طرح شرعی حکم میں ذرا سا فرق پڑنے سے وہ بجائے ثواب کے عذاب ہوجاتا ہے دیکھیئے ان تین شخصوں نے جن کا ذکر ص ۵ میں گذرچکا ہے۔ جن سے ایک نے کہا تھا کہ میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کرونگا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں نکاح نہیں کرونگا۔

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ڈانٹا۔ اور فرمایا فمن رغب عن سنتی فلیس منی یعنی جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔ بتلائیے ان تینوں نے کیا قصور کیا تھا؟ یہی کہ انہوں نے محمدی سکہ توڑ دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اپنے خیال سے کسی بات کو نیکی سمجھ لینے سے نیکی نہیں بنتی بلکہ نیکی وہی ہے جس پر مہر محمدی ہو۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے ؂

طوعلیہا سکۃ نبویۃ ضرب المدینۃ اشرف البلدان

یعنی اس مسئلہ پر ایسی ضرب ہے۔ جو سکہ نبویہ ہے مدینہ کی ضرب جو اشرف شہروں کا ہے۔" اس موقع پر ان لوگوں کو بھی خیال کرنا چاہیے۔ جو اذان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنکر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور جو لوگ اس کی بابت حدیث مشہور کرتے ہیں۔ وہ سخت غلطی میں ہیں۔ مقاصد سخاوی کے ص ۱۸۳ / ۱۸۴ میں ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔ اسی طرح موضوعات شوکانی کے ص ۹ میں لکھا ہے۔ اس کے علاوہ مشکوٰۃ میں صحیح حدیث ہے۔ جس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ کہ جب اذان سنو تو موذن کے ساتھ ساتھ وہی کلمات کہو جو موذن کہتا ہے۔ (سوا حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے کہ ان کی جگہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے۔ اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ پھر میرے لئے وسیلہ مانگو وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو ایک ہی بندے کے لئے لائق ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہونگا۔ جو میرے لئے وسیلہ مانگے گا۔ اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوگی۔

وسیلہ مانگنے کی دعا آپ نے یہ سکھائی ہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ آت محمدا الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاما محمودا الذی وعدتہ یعنی اے اللہ رب اس پکار پوری (اذان) کے اور رب نماز قائم رہنے والی کے دے محمد کو وسیلہ اور فضیلت اور اٹھا اس کو مقام محمود میں جو تو نے اس سے وعدہ کیا۔

ایک اور روایت میں ہے۔ جو اذان سننے کے وقت مندرجہ ذیل دعا پڑھے۔ اس کے گناہ معاف

ہو جاتے ہیں ۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له وان محمدًا عبدہ ورسولہ رضیت باللہ ربا وبمحمد رسولا
یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اس حال میں کہ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بندہ اس کا اور رسول اس کا ہے میں اس بات پر راضی ہوں کہ اللہ میرا رب ہے ۔ اور رسول میرا محمدؐ ہے ۔ اور دین میرا اسلام ہے ۔

دیکھئے سنت کے موافق عمل کرنے سے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حلال ہوتی ہے ۔ کہیں گناہ معاف ہوتے ہیں ۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ شبہ والی باتوں میں پڑ کر اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالیں اللہ ہمیں صحیح طریقوں پر چلنے کی توفیق بخشے اور خطرناک رستوں سے بچائے آمین کیا اچھا ہو جو اب بھی مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کے قدم بقدم ہولیں ۔ تاکہ انہی جیسی ترقی دنیا میں پائیں اور قیامت کے روز انہیں کے زمرہ میں شامل ہو کر ساقی حوض کوثر کے ہاتھ سے پانی پینے کا شرف حاصل کریں ۔ اگر اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کا سنت نبوی پر خاتمہ کر کے یہ نعمت عطا فرمائے تو اس کی رحمت سے کیا بعید ہے ۔ یا اللہ تو ایسا ہی کر آمین ۔

(۱۰) ظہر احتیاطی کی بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے ۔ کہ جمعہ کے شرائط میں شک ہے ۔ اس لیے جمعہ پڑھ کر ظہر بھی پڑھ لینی چاہئے ۔ اگر بالفرض جمعہ صحیح نہ ہوا تو ظہر ہو جائیگی ۔ مگر یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک شئے کے لئے کوئی شرط ہو اور شرط کے نہ ہونے کا ہمیں یقین ہو جائے ۔ تو اس میں شک کرنا فضول ہے ۔ اور اگر اس کا شرط ہونا ہی معلوم نہیں تو اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو ایک مثال میں سمجھائیں ۔ مثلاً ہم نماز کیلئے وضو کرنا چاہتے ہیں ۔ مگر وضو کے لئے جو پانی ملا ہے ۔ اس کے نجس ہونے کا ہمیں یقین ہے ۔ تو اس صورت میں ہم تیمم کرینگے ۔ کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے اب بتلائیے اس صورت میں پانی کے ہوتے ہوئے تیمم کی ضرورت کیوں ہوئی اس لئے کہ پانی کے لئے طہارت شرط ہے ۔ جب پانی میں طہارت نہ ہونے کا یقین ہو گیا ۔ تو تیمم کے مسئلہ پر عمل کر لیا ۔ اور اگر ہمیں پانی کے لئے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہ ہو یعنی کسی دلیل سے معلوم نہ ہو کہ وضو کے پانی کیلئے طہارت شرط ہے ۔ اور یہ مسئلہ معلوم ہے ۔ کہ وضو کرنا فرض ہے ۔ تو کیا ہم اس صورت میں صرف وضو کرینگے یا وضو اور تیمم دونوں جمع کرینگے ظاہر ہے کہ وضو پر اکتفا کرینگے ۔ کیونکہ تیمم اس وقت ہوتا ہے جب وضو نہ ہو اور جب پانی کیلئے طہارت کا شرط ہونا معلوم نہیں تو نجس سے وضو صحیح ہو گا ۔ پھر تیمم کا کیا محل ۔

جب یہ مثال سمجھ میں آگئی تو اب ہم پوچھتے ہیں ۔ کہ جمعہ کے لئے شہر کی شرط یا سلطان کی شرط

یا شہر میں ایک جگہ ہونے کی شرط ہے یا نہ۔ اگر شرط ہے تو جہاں یہ شرائط ہونگے۔ وہاں جمعہ صحیح ہوگا۔ جہاں نہیں ہونگے۔ جمعہ نہیں ہوگا۔ جمعہ پڑھ کر ظہر پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور اگر شرط نہیں یعنی کسی دلیل سے ان کا شرائط ہونا معلوم نہیں۔ اور خدا حکم دیتا ہے۔ کہ جمعہ پڑھو تو پھر جمعہ صحیح ہے اس میں شکی ہوکر ظہر پڑھنا اس کا کیا مطلب؟ اللہ اور اس کا رسول تو ایک فرض کرے اور ہم دونوں جمع کرلیں یہ تو ایسا ہوا جیسے ظہر کے چار فرضوں کی بجائے چھ پڑھ لیں۔ اسی واسطے امام ابوحنیفہ رح اور باقی تین اماموں سے ظہر احتیاطی کی کوئی روایت نہیں ملتی اگر کوئی چاروں اماموں سے صحیح سند کیساتھ ثابت کردے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ یہ ثابت نہیں۔ ہم نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ[1] لکھا ہے۔ اس کا نام اظفار الشمعہ ہے جس کو زیادہ تفصیل کی ضرورت ہو وہ منگا کر دیکھے اس میں نہایت عجیب پیرائے میں اس مسئلہ پر اور دیگر شرائط جمعہ پر روشنی ڈالی ہے

(۱۱) انگریزی بال رکھنا درست نہیں۔ کیونکہ عادات دو طرح کے ہیں۔ ایک ساری دنیا کرتی ہے جیسے کھانا پینا پہننا وغیرہ اس قسم سے تو یہاں کچھ تعلق نہیں کیونکہ شرع اُن باتوں سے منع کرتی ہے جس سے انسان کے دین میں کچھ خلل آئے۔ دوسری قسم کے وہ ہیں۔ جو کسی خاص قوم کے ہوتے ہیں۔ اگر وہ قوم بددین ہے۔ تو یہ بلاشبہ منع ہیں۔ کیونکہ انسان کے دین میں خلل ڈالنے والے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے۔ کہ جب کسی قوم کے طور اطوار کسی کو پسند ہوتے ہیں۔ تو وہ قوم اُس کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ اور جب وہ قوم اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔ تو دینی غیرت اُس کے دل سے نکل جاتی ہے پس یہی انسان کی آزادی کا باعث ہے۔ اس لئے شرع میں بروں کی صحبت سے منع کیا ہے۔ اور غیر قوموں کے عادات سے بھی منع کیا ہے۔ بلکہ صرف منع ہی نہیں کیا۔ اس پر سخت وعید بھی سنائی۔ دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا من تشبہ بقوم فھو منھم کیسی سخت وعید ہے۔ گویا صرف ان کے ساتھ مشابہت کرنے پر آنحضرت نے انہیں کے ساتھ ملا دیا بعض کتب الٰہیہ میں ہے۔ لاتلبسوا ملابس اعدائی ولاتسکنوا مساکن اعدائی ولاتاکلوا ماکل اعدائی فتکونوا اعدائی کما ھم اعدائی یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میرے دشمنوں کے لباس نہ پہنو نہ ان جیسے مکانوں میں رہو نہ ان کی طرح کھانا کھاؤ ورنہ میرے دشمن ہو جاؤ گے۔ جیسے وہ دشمن ہیں۔

(۱۲) ڈاڑھی کا مسئلہ کسی پر مخفی نہیں اس کی بابت ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص ارشاد موجود ہے۔ " احفوا الشوارب واعفوا اللحی" (ترجمہ) یعنی لبیں کٹواؤ اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ دوم یہ

---

[1] اس رسالہ کے چار حصے ہیں۔ دو چھپکر تیار ہیں۔ جنکی قیمت عہ ہے علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ ناظم مدرسہ اہلحدیث روپڑ ضلع انبالہ

علانیہ گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "کل امتی معافی الا المجاھرون" یعنی میری تمام امت معاف ہے مگر علانیہ گناہ کرنے والے معاف نہیں سوم جس کو اسلامی وضع پسند نہ ہو اور غیر قوموں کی وضع پسند کرے۔ یعنی اسلامی وضع پر اوروں کی وضع کو ترجیح دے۔ وہ بڑے خطرہ کے مقام میں ہے کیونکہ اس میں مذہب اسلام کی تحقیر ہے چہارم غیر قوموں کی مشابہت میں جو وعید ہے۔ اس کا بھی وہ مستحق ہے۔ جب تک ہمارے وجودوں سے غیر قوموں کا قبضہ نہیں اٹھتا کیا اسلام والے ہم کہلا سکتے ہیں۔ اور مذہب اسلام کو فروغ ہو سکتا ہے۔ آہ جو استرہ ہم ڈاڑھیوں پر پھیرتے ہیں وہ درحقیقت شرع محمدی پر پھرتا ہے۔ کیونکہ ڈاڑہی کا بڑھانا شرع محمدی ہی کی تعلیم ہے۔ خدا مسلمانوں کو ہدایت کرے۔ کہ پہلے وہ اپنی شکلوں سے غیر قوموں کا قبضہ اٹھائیں۔ پھر خدا کے فضل سے مکہ مدینہ سے بھی قبضہ اٹھ جائیگا۔ انشا اللہ تعالی۔ سینکڑوں کوس سے قسطنطنیہ کے چھن جانے پر ہمارے بھائی مسلمان واویلا کرتے ہیں۔ لیکن اپنے وجودوں پہ غیروں کا قبضہ ہونے پر کوئی واویلا نہیں کرتا۔ سچ ہے ما یبقی من الاسلام الا اسمہ ومایبقی من القرآن الا رسمہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ آخر زمانہ میں اسلام کا نام ہی باقی رہ جائیگا۔ اور قرآن بھی رواجی طور پر پڑھا جاویگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

(۱۳) گیارہویں کسنی بالکل حرام ہے۔ کیونکہ عبادت کی کل تین قسمیں ہیں۔ مالی۔ قولی۔ بدنی۔ مالی کسی کے نام پہ مال خرچ کرنا۔ قولی زبان سے کسی کا ورد وظیفہ کرنا۔ بدنی رکوع سجود دست بستہ کھڑے ہونا وغیرہ سو یہ تینوں قسمیں اللہ کا حق ہیں۔ چنانچہ التحیات میں اور ایاک نعبد میں ہم اس بات کا ہر روز کئی بار اقرار کرتے ہیں۔ کہ ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کے لئے ہے۔ گیارہویں میں چونکہ پیر صاحب کے نام پر مال خرچ کیا جاتا ہے جس سے مقصد تقرب لغیر اللہ ہے۔ اس لئے یہ پیر صاحب کی مالی عبادت ہوئی۔ جو صریح شرک ہے۔ اور اگر مال اللہ کے نام پر دیا جائے۔ اور مقصود اس سے صرف پیر صاحب کی روح کو ثواب پہونچانا ہو تب بھی حرام ہے۔ کیونکہ صدقہ کیلئے اس طرح کا اہتمام اور تاریخ مقرر کرنا بدعت ہے چنانچہ نمبر ۹ میں اس کا بیان گذرچکا ہے۔ کہ عبادت میں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جسطرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تابعین تبع تابعین کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ اس سے سرمو تفاوت نہ کرنا چاہئے۔ ورنہ وہ عمل بجائے ثواب کے موجب عذاب ہوگا۔ جس سے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقہ کا دستور یہ تھا کہ جب کسی کو کچھ میسر ہوتا وہ اللہ کے نام پر دیدیتا۔ اور اس کا ثواب میت کو پہونچادیتا۔ وہاں پر یہ قیود تاریخی وغیرہ نہ تھیں۔ صرف نیت ہی سے ایصال ثواب ہوجاتا۔ کیونکہ وہ عمل اس دربار الٰہی میں جاتا ہے۔ جو دلوں

کے رازوں سے واقف ہے۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ عن سعد بن عبادۃ قال یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای صدقۃ افضل قال الماء فحفر بیرا قال ھذہ لام سعد۔ یعنی "سعد بن عبادہ سے روایت ہے۔ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ میری ماں مرگئی۔ پس کونسا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا آپ نے پانی۔ پس سعد نے ایک کنواں کھدوا دیا اور فرمایا یہ مال[۱] سعد کی طرف سے ہے۔" دیکھئے یہاں دن کی تعیین کا نام ونشان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بتلا دیا اس نے کوئی تاریخ مقرر نہیں کی۔ اب بھی اگر کسی کی روح کو ثواب پہونچانا ہو تو اپنی طرف سے کوئی دن مقرر نہ کرے ورنہ ثواب کی بجائے عذاب ہوگا۔ گیارہویں کا نام گیارہویں رکھنا ہی گویا دن کی تعیین ہے۔ تو یہ کس طرح جائز ہوسکتی ہے۔ اسی طرح کھانا بھی اپنی طرف سے معین نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ کبھی نقدی دیدی کبھی کسی کو کپڑا بنا دیا کبھی کسی کا قرض ادا کر دیا کبھی کسی کو کتاب لے دی کبھی حج کرا دیا کبھی قربانی کر دی غرض موقع بموقعہ حسب توفیق جو آسان ہو کرتا رہے۔ کبھی کچھ کبھی کچھ۔ کیونکہ اپنی طرف سے جیسے دن کی تعین جائز نہیں ویسے ہی کھانے کی تعیین بھی جائز نہیں۔

(۱۴) ختم بھی بدعت ہے۔ کیونکہ میت کا کھانا آگے رکھکر فاتحہ یا درود پڑھنے کی بابت خیر قروں سے بالکل ثبوت نہیں ہے۔ بلکہ اس طرح کا کھانا نوحہ میں داخل ہے یعنی ماتم میں داخل ہے۔ چنانچہ نمبر ۳ میں گذر چکا

[۱] بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ کھانا آگے رکھکر یہ کہنا کہ فلاں میت کی طرف سے ہے اور اسکے ثواب پہنچانے کیلئے ہے۔ یہ اس حدیث سے جائز معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ کنواں یا زمین وغیرہ تو کوئی ایسی شے نہیں کہ کسی کو پکڑا دے اس میں تو زبان ہی سے کہنے سے ملک زائل ہوگی برخلاف کھانے وغیرہ کے۔ کیونکہ کھانا مثلاً کھلا دیا۔ تو اب یہ کہنا فضول ہے۔ کہ یہ فلاں کے ثواب کیلئے ہے۔ اس کے علاوہ گھر والے کا یہ کہنا کہ یہ فلاں کے ثواب کیلئے ہے۔ آج کل اس کا مطلب کچھ اور ہے وہ یہ کہ ملاں اس کھانے پر ختم پڑھے تاکہ مردے کو ثواب پہنچے بتلایئے سعد نے کنوئیں پر کسی ملاں سے ختم پڑھوایا تھا۔ اور اس سے ایک اور بات بھی واضح ہوگئی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دو دنبے قربانی دیئے اور ذبح کرنے کے وقت پہلے آیۃ کریمہ انی وجھت وجھی اور آیت کریمہ ان صلوتی ونسکی الی قولہ اول المسلمین پڑھی پھر فرمایا یعنی اے اللہ یہ قربانی کا حیوان تیرا ہی دیا ہوا ہے اور تیرے ہی لئے ذبح کرتا ہوں۔ محمد کی طرف سے اور امت محمد کی طرف سے۔ اس سے بھی بعض لوگ نکالتے ہیں۔ کہ روٹی پر ختم درست ہے حالانکہ ختم سے اسکو کوئی تعلق نہیں کیونکہ ختم دوسرے سے پڑھوایا جاتا ہے۔ اور یہ دعا عمل کرنے والے نے خود پڑھی ہے۔ اسکے علاوہ یہ قربانی کی دعا ہے جیسے وضوء کے وقت کلمہ شہادت پڑھکر یہ دعا پڑھتے ہیں اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین اور روزے کی افطاری کے وقت یہ دعا پڑھتے ہیں۔ اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت وبک امنت۔ اسی طرح ٹٹی میں جانیکی دعا بیوی کے پاس جانیکی دعا سونے جاگنے کی دعا اس قسم کی سینکڑوں دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلائی ہیں۔ کیا میت کے کھانا کھلانے کی بھی کوئی دعا سکھلائی ہے۔ اگر کسی کے پاس ثبوت ہو۔ تو پیش کرے۔ تاکہ وہ دعا ہم بھی پڑھیں اور لوگوں کو بھی اس کے پڑھنے کی ترغیب دیں مگر ختم پھر بھی جائز نہیں ہوگا کیونکہ وہ دوسرے سے پڑھوایا جاتا ہے کیا روزے کی افطاری کے وقت اور بیوی کے پاس یا ٹٹی وغیرہ میں جانے کی دعاؤں یا وضوء کے وقت کی دعا کو ختم کہا ہے؟ ہرگز نہیں بہر صورت ملا کے آگے کھانا رکھکر ختم پڑھوانا اور ملا کا اس پر ختم پڑھنا جیسے آجکل رواج ہے یہ بالکل بدعت ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں چنانچہ نمبر ۱۴ میں اس کی تفصیل آتی ہے انشاء اللہ۔

ہے۔ کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و صنعۃ الطعام بعد دفنہ من النیاحۃ۔ یعنیؒ اہل میت کی طرف جمع ہونا اور اس کے دفن کے بعد کھانا تیار کرنا ہم نوحہ (رونا پیٹنا) سمجھتے تھے۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا اجتماع کھانے وغیرہ کی خاطر جیسے اب رواج ہے۔ نوحہ میں داخل ہے اور نوحہ لعنت کا سبب ہے۔ کیونکہ یہ جاہلیت کی رسم ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے۔ کہ نوحہ کرنے والی اور سننے والی ملعونہ ہے۔ پس ایسے کھانوں سے بچنا چاہئے۔ جو ثواب کے بجائے لعنت کا سبب ہو جائیں۔ روحوں کے ثواب پہونچانیکا وہی طریقہ ہے جو نمبر ۱۳ میں گذر چکا ہے۔ یعنی نہ دن کی تعیین نہ روٹی پر پڑھنا۔ بلکہ جو کچھ دینا ہو بغیر تعیین دن و تاریخ کے اللہ کے نام پر دیوے۔ مثلاً کبھی کسی کو کپڑا بنا دے کبھی کسی کو حج کرا دے۔ کبھی کسی غریب کا قرض ادا کر دے۔ کبھی کسی طالب علم کو کتاب لے دے۔ کبھی کسی سوالی کا سوال پورا کر دے۔ یا سال بسال ایک قربانی زیادہ کرتا رہے۔ غرض جیسے عام طور پر موقع بموقع حسب توفیق ہر شخص دیتا ہے۔ اسی طرح دے۔ اور نیت یہ کرے کہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچے۔ سو انشاء اللہ پہونچ جاویگا۔ کیونکہ علام الغیوب دلوں کے رازوں سے واقف ہے۔ جس کی نیت یہ کریگا وہ جانتا ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل کچھ صـــ۱۲ میں بھی گذر چکی ہے۔ جس میں اس سوال کا جواب ہے۔ کہ میت کی روٹی پر ختم پڑھتے ہیں۔ تو کوئی برا فعل تو نہیں کرتے۔ دعائیں اور قرآن شریف کی آیتیں ہی پڑھتے ہیں۔

(۱۵) ہم یہاں علماء حنفیہ وغیرہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں۔ جن کے ضمن میں اس سوال کا جواب بھی ہوگا اور اوپر کے سوالوں کے جوابات کی بھی تائید ہوگی۔ تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

لا یجوز ما یفعل الجھال بقبور الاولیاء والشھداء من السجود والطواف حولھا واتخاذ البروج و المساجد علیھا ومن الاجتماع بعد الحول کالاعیاد یسمونہ عرسا۔

یعنیؒ جو کچھ جاہل لوگ ولیوں اور شہیدوں کی قبروں سے کرتے ہیں جائز نہیں۔ جیسے ان کی قبروں کو سجدہ کرنا۔ اور ارد گرد طواف کرنا۔ اس پر گنبد یا مسجد بنانا۔ اور سال بسال عید کی طرح جمع ہونا اور اس کا نام عرس رکھنا۔"

شیخ عبد الحق رحؒ دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں "عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند و ختمات خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں وایں مجموع بدعت است" یعنی میت کیلئے جمع ہونا اور قرآن خوانی اور ختم خواہ قبر ہو یا اور جگہ یہ سب بدعت ہے۔

شیخ علی تقی استاد الاستاد شیخ عبد الحق صاحب رسالہ رد بدعات میں لکھتے ہیں۔ الاجتماع للقراۃ بالقرآن علی المیت بالتخصیص فی المقبرۃ او المسجد او البیت بدعۃ مذمومۃ یعنی میت کی

قرآن خوانی کے لئے خاص کر جمع ہونا۔ قبر پر یا مسجد یا گھر میں بدعت مذمومہ ہے۔
آفندی رسالہ رد البدعات میں کہتے ہیں۔ ومن المنکرات المعروفات فی زماننا احضار الحلاوی فی المساجد ای فی لیلۃ من شہر رمضان واکل الحبوب السبعۃ یوم عاشوراء والاجتماع علی المقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد الطیب والثمار وغیرہا ثم والاطعام فی الایام المخصوصات کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشہر السادس (انتہی ملخصًا) (ترجمہ) یعنی بری باتوں سے جو ہمارے زمانہ میں مشہور ہیں۔ رمضان کے مہینہ میں مسجدوں میں حلوہ لانا یعنی رمضان کی رات خصوصیت کے ساتھ اور عاشورا کے دن کھانا پکانا (جیسے حلیم وکھچڑا کوٹا وغیرہ کہتے ہیں) اور قبر پر تیسرے روز جمع ہونا اور اس جگہ خوشبو وغیرہ تقسیم کرنا اور خاص خاص دنوں میں کھانا کھلانا جیسے تیجہ۔ پانچواں۔ نواں۔ دسواں۔ بیسواں۔ چالیسواں ششماہی (برسی)

اسی طرح فتوٰے بزازیہ اور جامع الروایات اور مصفّٰی اور خلاصہ میں ہے۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب وصیت نامہ میں لکھتے ہیں۔ از بدعات شنیعہ ما مردم اسراف است در ماتمہا دسوم وچہلم و ششماہی وفاتحہ وسالینہ وایں ہمہ را درعرب اول وجود نبود مصلحت آنست کہ غیر تعزیہ وارثان میت تا سہ روز وطعام ایشاں یکشباں روز رسمے نباشد۔ یعنی ہمارے لوگوں کی سخت بدعات میں سے ہے ماتم میں فضول خرچی اور تیجہ اور چالیسواں اور ششماہی اور فاتحہ اور برسی اور ان تمام کا عرب اول (خیر قرون) میں وجود نہ تھا۔ مصلحت یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی تسلی تین روز تک اور ایک دن رات میت کے وارثوں کو کھانا کھلانا ان دونوں کاموں کے سوا کوئی رسم نہ ہونی چاہیئے۔

فتح القدیر کتاب الجنائز میں حنفیہ کے سرتاج ابن الہمام لکھتے ہیں۔ ھذا عند اکثر مشائخنا ھو ان المیت لا یسمع عندھم۔ یعنی ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ میت نہیں سنتی۔

اور کافی شرح وافی باب بیان احکام الیمین میں ہے۔ والمقصود من الکلام الافہام وذا بالاستماع وذا لا یتحقق بعد الموت یعنی مقصود کلام سے اپنا مافی الضمیر تبلانا ہے۔ اور یہ سنانے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور سنا نامیت میں پایا نہیں جاتا۔

اسیطرح عینی شرح کنز اور تخلص شرح کنز وغیرہ میں ہے۔ اس قسم کی روائتیں بہت ہیں۔ ہم نے بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے۔ ماقلّ وکفٰی خیر مما کثر والہٰی۔ لیکن ایک روایت اور ذکر کرنے کی ضرورت ہے جس میں خاص امام ابو حنیفہ صاحب کا واقعہ مذکور ہے۔ غالباً وہ نہایت ہی مفید ہوگی۔

غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے۔

رای الامام ابو حنیفۃ من یاتی القبور لاھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خیر وھل عندکم من اثر انی اتیتکم ونادیتکم من شھور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفۃ یقول یخاطبھم فقال ھل اجابوا لک قال لا فقال لہ سحقا لک وتربت یداک کیف تکلم اجسادا لا یستطیعون جوابا ولا یملکون شیئا ولا یسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور۔

(ترجمہ) یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو صالحین کی قبروں پر آتا پس سلام ڈالتا اور ان سے خطاب کرتا اور کلام کرتا اور کہتا کہ اے اہل قبور کیا تمہارے لئے بھلائی ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی نشان ہے۔ میں تمہارے پاس کئی ماہ سے آتا ہوں اور پکارتا ہوں اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے کیا تم نے جانا یا غافل رہے پس امام ابو حنیفہؒ نے جب یہ سنا تو اس شخص کو ان بزرگوں کے حق میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انہوں نے تیری بات کو قبول کیا کہا نہیں فرمایا تجھ پر پھٹکار ہو۔ اور تو ذلیل ہو جائے تو ایسے جثوں سے کیوں کلام کرتا ہے۔ جو نہ جواب کی طاقت رکھتے ہیں۔ نہ کسی شے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نہ آواز سنتے ہیں اور یہ آیتہ پڑھی وما انت بمسمع من فی القبور یعنی تو اہل قبور کو نہیں سنا سکتا۔“

اب ان لوگوں پر کتنا افسوس ہے۔ کہ باوجود حنفی کہلانے کے اپنے امام کی تعلیم کی پرواہ نہیں کرتے اور صاف کہتے ہیں کہ بزرگ سنتے ہیں۔ بلکہ ان کو عالم الغیب مانتے ہیں۔ جو قرآن وحدیث اور بزرگان دین کے بالکل خلاف عقیدہ ہے۔ ہاں وحی کے ذریعہ سے جو بات اللہ چاہے نبی کو معلوم ہو سکتی ہے دوسری نہیں چنانچہ سورہ جن میں ارشاد ہے۔ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم یعنی (اللہ تعالیٰ) اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جسکو اپنے رسولوں سے پسند کرلے پس اس رسول کے آگے پیچھے پہرے کر دیتا ہے۔ تاکہ ظاہر کر دے۔ کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے یعنی جو کچھ وحی ہوئی تھی۔ اس میں کسی شیطان کے دخل سے کمی بیشی نہیں ہوئی۔ بلکہ ٹھیک ٹھیک رسولوں نے بندگان خدا کو پہنچا دی۔

دیکھیے اس آیت میں صاف وحی کا ذکر ہے۔ پس جس بات کی وحی ہو گی وہی معلوم ہو گی نہ ہر بات۔ اس لئے کئی باتوں کا نبی کو علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اسی آیت میں فلا یظھر علی غیبہ سے پہلے یہ الفاظ ہیں۔ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل لہ ربی امدا عالم الغیب۔ الآیہ یعنی اے محمد تو ان کو کہہ دے مجھے معلوم نہیں کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ وہ قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے

ایک مدت کر دی ہے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ اپنے غیب پر کسیکو مطلع نہیں کرتا۔ الخ

سورہ توبہ میں ارشاد ہے۔ جو مدینہ شریف میں آخر میں اتری ہے وممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لاتعلمھم نحن نعلمھم یعنی اردگرد تمہارے جنگلیوں سے کئی منافق ہیں۔ اور مدینہ والوں سے بھی کئی منافق ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ جن کو (اے محمد) اور کوئی تو کیا جانے گا، تو بھی نہیں جانتا۔ ہم جانتے ہیں بخاری مسلم میں ہے حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات جانتے ہیں اس نے بڑا بہتان باندھا۔ نیز بخاری مسلم میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قیامت کے دن میں حوض کوثر پر ہوں گا۔ کئی لوگ میرے پاس آنے سے روکے جائینگے میں کہونگا یہ تو مجھ سے ہیں مجھے جواب ملیگا تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا بدعات نکالیں۔ میں کہونگا لعنت ہو اس پر جس نے میرے بعد دین کو بدلا۔ اور فقہ کی کتاب فتاویٰ قاضیخاں اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ جو شخص نکاح کے وقت خدا رسول کو گواہ کرے وہ کافر ہے۔ کیونکہ اس نے رسول کو حاضر ناظر جانا خدا ان لوگوں کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق بخشے۔ آمین۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

یہ رسالہ محض مسلمان بھائیوں کی توجہ کے قابل ہے۔ راہ للہ اس کو بغور ملاحظہ فرما کر باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ مذکورہ بالا مسائل اس غرض سے لکھے گئے ہیں۔ کہ دنیا میں نہایت خوفناک واقعات دیکھے جاتے ہیں۔ جن سے انسان کے خارج از اسلام ہونے کا خیال آجاتا ہے۔ اس لئے اس رسالہ کے مطالعہ سے امید ہے کہ وہ ضرور ہدایت حاصل کر کے درگاہ ذوالجلال میں سرخرو ہونے کی کوشش کرینگے۔

(ضمیمہ رسالہ رد بدعات)

الاستفتاء

از بھیڑی
۳ ر اکتوبر ۱۹۲۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب حافظ مولانا عبداللہ صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب جذب القلوب کے چودھویں باب میں حسب ذیل احادیث نقل کرنے سے پہلے آپ تحریر فرماتے ہیں کہ" از نقل ثقات بطرق متعددہ بعضے ازاں بدرجہ صحت رسیدہ واکثر بمرتبہ حسن آمدہ ثبوت یافتہ"

مگر کسی کتاب کا حوالہ درج نہیں فرمایا لہذا یہ احادیث جو درج ذیل ہیں کس کتاب کی ہیں کس درجہ کی ہیں اون کی صحت کون کون سے علماء نے کی ہے مفصل جواب دیکر مشکور فرمایئے خدا اجر عظیم دیگا۔

حدیث (۱) من زار قبری وجبت له شفاعتی (۲) من زار قبری حلت له شفاعتی۔ (۳) من جاءنی زائرا لا تعمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة (۴) من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی (۵) من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی (۶) من زارنی الی المدینة کنت له شفیعا وشهیدا (۷) من زار قبری کنت له شفیعا وشهیدا (۸) من حج حجة الاسلام وزار قبری وغزا غزوة وصلی فی بیت المقدس لم یسال الله عما افترض علیه (۹) من حج الی مکة ثم قصدنی فی مسجدی کتب له حجتان مبرورتان (۱۰) من زارنی میتا فکانما زارنی حیا ومن زار قبری وجبت له شفاعتی یوم القیامة ومامن احد من امتی له سعة ثم لم یزرنی فلیس له عذر (۱۱) من زار قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن لم یزر قبری فقد جفانی (۱۲) من سال لرسول الله الدرجة والوسیلة حلت له شفاعتی یوم القیامة ومن زار قبر رسول الله صلی الله علیه وسلم کان فی جوار رسول الله ﷺ (۱۳) من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة ومن مات فی احد الحرمین بعثه الله من الامنین یوم القیامة

دیگر آپ کا رسالہ رد بدعات نظر سے گذرا اس میں اہل میت کے یہاں کھانا حرام ثابت کرنے کی آپ نے کوشش کی ہے۔ حالانکہ حدیث ابوداؤد جو ذیل میں درج کیجاتی ہے۔ اس سے اس کھانے کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اس کے متعلق صحیح راہ عمل کیا ہونا چاہئے۔ مفصل جواب دیکر مشکور کیجئے۔ عاصم بن کلیب نے اپنے والد سے انہوں نے ایک انصاری آدمی سے نقل کی وہ

کہتے ہیں۔کہ ہم لوگ ایک جنازہ کی نماز پڑھنے کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے جب گورستان پہنچے۔ تو پھر میں نے دیکھا۔کہ آپ گورکن کو نصیحت کر رہے تھے۔ فرماتے تھے۔ کہ قبر کو دونوں پاؤں کی طرف سے فراخ کرو اور سر کی طرف سے فراخ کرو پھر جب آنحضور واپس ہوئے۔ تو آپ کے سامنے ایک آدمی اس میت کی بیوی کی طرف سے آپ کی دعوت کرنے آیا آپ نے دعوت قبول کر لی۔ اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ جب ہم لوگ اور آنحضور اس کے گھر پہنچے تو کھانا لایا گیا۔ آنحضور نے شروع کیا۔ تو پھر اور لوگوں نے بھی شروع کیا۔ چنانچہ سب نے کھایا (مشکوۃ جلد چہارم ابواب المعجزات ابوداؤد ابواب البیوع)

دیگر ایک رسالہ بنام "الفقہ خیر" خدمت میں ارسال ہے۔ اس کے صـ۲۳ پر احادیث نقل کر کے مولود کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیا ان احادیث کا یہی مطلب ہے۔ لہذا ان کا صحیح ترجمہ اور صحیح مفہوم تحریر فرما کر مشکور کیجئے۔ خدا اجر عظیم دیگا۔ والسلام

"محمد عباس خطیب خادم المسلمین"

جوابات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سائل نے تین سوال کئے ہیں۔ ایک احادیث زیارت کے متعلق۔ دوسرا رسالہ ردّ بدعات کے متعلق۔ تیسرا رسالہ الفقہ خیر کے متعلق۔ ہم دوسرا اور تیسری کا جواب پہلے دیتے ہیں۔ اور پہلے کا بعد میں مستقبل رسالہ کی صورت میں دینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

جواب ۲

ابوداؤد کی حدیث کے آخر میں جو آپ نے یہ جملہ ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سب نے کھایا یہ ابوداؤد کی حدیث میں یوں نہیں بلکہ اس میں یوں ہے رکھانا لایا گیا۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں ہاتھ رکھا۔ پھر لوگوں نے رکھا۔ پس انہوں نے کھایا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا۔ تو آپ منہ میں لقمہ پھیر رہے ہیں (یعنی نگل نہیں سکتے) پھر فرمایا کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے۔ جو بغیر اجازت مالک

کے لیگئی ہے۔عورت کو بلاکر پوچھا تو عورت نے کہا میں نے منڈی میں بکری خریدنے کیلئے آدمی بھیجا تھا۔منڈی میں نہیں ملی۔میرے ہمسایہ نے ایک بکری خریدی تھی۔میں نے اس کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ بکری بھیج دے ہمسایہ نہیں ملا۔پھر میں نے اس کی بیوی کی طرف آدمی بھیجا۔اس کی بیوی نے وہ بکری بھیجدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھانا قیدیوں کو کھلادے۔

یہ اس حدیث کا لفظی ترجمہ ہے۔اس میں ان لوگوں کی دعوت کا ذکر ہے جو قبرستان میں گئے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔کہ عورت کا مقصود ان کی دعوت کرنے سے یہ تھا۔کہ کفن دفن کی تکلیف سے وہ بھوکے پیاسے آئینگے میں ان کی واپسی تک کھانا تیار کر رکھوں۔تاکہ آتے ہی ان کی تکلیف راحت سے بدل جائے۔سو یہ ایک اتفاقیہ کھانا ہے۔جیسے کوئی کسی کے کام میں لگا ہوتا ہے۔اور کھانیکا وقت ہوتا ہے۔تو اس کو کہتا ہے۔کہ اب کھانا کھا کر جانا۔اس میں نہ تو دن کی تعیین کا لحاظ ہے۔نہ کھانیکی خصوصیت ہے۔کہ فلاں کھانا ہو نہ مردے کے ثواب کا ذکر ہے۔اس کو مردے کی روٹی سمجھ لینا اور اس کا اہتمام کرنا اور خواہ گھر میں تنگی ہو یا فراخی بہرصورت ان دنوں میں کھانا دینا اور اس طرح سے ایصال ثواب کرنا یہ اس حدیث پر حاشیہ ہے۔اس حدیث میں بالکل ان باتوں کا ثبوت نہیں۔اس کے علاوہ جب وہ بکری بغیر اجازت مالک کے لیگئی تھی تو یہ کھانا شرع کے خلاف ہوا اور اسی وجہ سے آپنے اور صحابہ نے نہیں کھایا۔بلکہ قیدیوں کے کھلانیکا حکم دیدیا۔جو کافر تھے۔عسہ کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں کافر ہی قیدی ہوتے تھے۔تو اگر یہ ایصال ثواب کی روٹی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو دوبارہ دعوت کرنیکا ارشاد فرماتے۔مگر آپ نے نہیں فرمایا۔اس سے بھی صاف معلوم ہوا۔کہ یہ میّت کی روٹی نہ تھی۔بلکہ اتفاقیہ روٹی تھی جیسے ہم نے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ اور احادیث بھی ہیں۔جن سے ثابت ہوتا ہے۔کہ ان دنوں میں ایصال ثواب کی مروجہ دعوتیں بالکل بدعت ہیں۔نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہیں نہ خیر قرون میں ان کا رواج تھا۔ ابن ماجہ اور مسند احمد میں جریر بن عبداللہ بجلی سے روایت ہے۔کنا نعد عسہ الاجتماع الی اھل المیت و صنعۃ الطعام بعد دفنہ عسہ من النیاحۃ۔یعنی میّت کے دفن کے بعد اہل میّت کی طرف جمع ہونا نیز کھانا تیار کرنا ہم نوحہ سمجھتے تھے۔

عسہ۔طیبی شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے۔وکانوا کفارا یعنی وہ قیدی کافر تھے (لمعات)

عسہ۔ابن ماجہ کی روایت میں کنا نعد کی بجائے کنا نری ہے ۱۲

عسہ۔بعد دفنہ کا لفظ صرف مسند احمد میں ہے ۱۲

ابوداؤد کتاب الجنائز باب صنعۃ الطعام لاہل المیت میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصنعوا لآل جعفر طعاما فانہ قد اتاھم امر یشغلھم۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ جعفر رضی اللہ عنہ لڑائی میں شہید ہو گئے کہ آل جعفر کیلئے کھانا تیار کرو۔ کیونکہ ان کو ایک معاملہ پیش آیا ہے جو ان کو مشغول کرتا ہے۔

پہلی حدیث پر سندی حنفی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔ قولہ کنا نری ھذا بمنزلۃ اجماع الصحابۃ او تقریر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الثانی فحکمہ الرفع وعلی التقدیرین فھو حجۃ وبالجملۃ فھذا عکس الوارد اذ الوارد ان یصنع الناس الطعام لاھل المیت فاجتماع الناس فی بیتھم حتی یتکلفوا لاجلھم الطعام قلب لذلک وقد ذکر کثیر من الفقھاء ان الضیافۃ من اھل المیت قلب للمعقول لان الضیافۃ حقھا ان تکون للسرور لا للحزن۔ انتھی۔

یعنی صحابی کا یہ کہنا کہ ہم اس کو نوحہ سمجھتے تھے۔ یہ بمنزلہ اجماع صحابہ کے ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریری حدیث ہے۔ جو حدیث مرفوع کی قسم ہے۔ بہر صورت یہ حجت ہے۔ اور حاصل کلام کا یہ ہے۔ کہ میت کے گھر میں اس طرح کا اکٹھ اور کھانا تیار کرنا سنت کا الٹ ہے۔ کیونکہ سنت یہ ہے۔ کہ لوگ میت کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کریں۔ پس لوگوں کا میت کے گھر میں جمع ہونا یہاں تک کہ ان کے لئے اہل میت کھانے کی تکلیف اٹھائیں یہ سنت کا الٹ ہے۔ اور بہت فقہاء نے ذکر کیا ہے۔ کہ اہل میت کی طرف سے ضیافت یہ معقول کے خلاف ہے۔ کیونکہ حقیقت ضیافت کی خوشی کیلئے ہے نہ غمی کے لئے۔

حنفیہ کے سرتاج علامہ ابن الھمام دوسری حدیث کے متعلق فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں۔ یستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاباعد تھیئۃ طعام لھم یشبعھم لیلتھم ویومھم ویکرہ اتخاذ الضیافۃ من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی الشرور وھی بدعۃ مستقبحۃ انتھی۔ یعنی میت کے ہمسایوں اور دور کے قرابتیوں کو مستحب ہے کہ اہل میت کے لئے ایک دن رات اتنا کھانا تیار کریں۔ کہ وہ سیر ہو جائیں۔ اور اہل میت کی طرف سے ضیافت کا ہونا مکروہ ہے۔ کیونکہ ضیافت خوشی میں مشروع ہے۔ نہ مصیبتوں میں۔ مصیبتوں میں ضیافت قبیح بدعت ہے

خلاصہ میں ہے۔ لایباح اتخاذ الضیافۃ عند ثلثۃ ایام۔ یعنی تیسرے دن ضیافت درست نہیں۔

فتاوی بزازیہ میں ہے یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔ انتھی

یعنی پہلے روز اور تیسرے روز یا ہفتہ کے بعد کھانا تیار کرنا مکروہ ہے۔
اسی طرح دیگر کتب فقہ میں ہے چنانچہ بعض کی عبارتیں ہم رسالہ رد بدعات کے صفحہ ۱۸-۱۹ میں بھی نقل کر چکے ہیں۔ پس جو کچھ ہم نے اس رسالہ میں لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔ واللہ الموافق۔

جواب ۳

رسالہ الفقہ خیر کے صفحہ ۲۳ میں مولود کے متعلق کوئی حدیث نہیں لکھی۔ بلکہ ایصال ثواب کی بابت آیۃ کریمہ وافعلوا الخیر (یعنی نیکی کرو) لکھی ہے۔ اور پانچ احادیث لکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ سعدؓ کی والدہ فوت ہوگئیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اس کی طرف سے صدقہ کروں۔ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ دوسری حدیث یہ کہ انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مُردوں کی طرف سے صدقہ یا حج کرنا اور ان کے حق میں دعا مانگنا مُردوں کو پہنچتا ہے۔ فرمایا ہاں پہنچتا ہے۔ اور وہ خوش ہوتے ہیں جیسے تمہارے پاس کوئی تھال تحفہ لائے تو تم خوش ہوتے ہو۔ تیسری حدیث یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قربانی اپنی طرف سے کی ایک امت کی طرف سے۔ چوتھی حدیث یہ کہ مرنیوالا اگر مسلمان ہوتا اور اس کی طرف سے غلام آزاد کیا جاتا یا حج یا صدقہ کیا جاتا تو اس کو پہنچتا۔ پانچویں حدیث یہ کہ حضرت علی دو قربانیاں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں آپکی طرف سے قربانی کروں۔

آیت مذکورہ میں جو کچھ ارشاد ہے۔ کہ نیکی کرو۔ اس سے کسی کو انکار نہیں۔ بلکہ گمراہ فرقے بھی کہتے ہیں۔ کہ ہم جو کچھ کرتے ہیں نیکی کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ نیکی کیا ہے۔ کیا وہ ہے جس کو انسان اپنے خیال میں نیکی سمجھ لے یا جس کو خدا رسول نیکی بنائے۔ ظاہر ہے کہ نیکی وہ ہے جسکو خدا رسول بنائے۔

اب باقی آیتوں حدیثوں کو دیکھو تاکہ معلوم ہو جاوے۔ کہ خدا رسول نے نیکی کس کو بنایا ہے۔ عبادات دو طرح کی ہیں۔ ایک مؤقت ایک غیر مؤقت۔ غیر مؤقت وہ ہیں جن کے لئے وقت کی تعیین نہیں جیسے کوئی سوالی آگیا۔ اس کو دیدیا۔ کسی مقروض کو دیکھا۔ اس کا قرض ادا کر دیا۔ کسی ننگے کو دیکھا اس کو کپڑا پہنا دیا۔ کسی بھوکے پیاسے کو دیکھا اس کا پیٹ بھر دیا۔ کسی مسافر راہی کا خرچ ختم ہوگیا۔ اس کو کرایہ دیدیا۔ علی ہذا القیاس موقعہ بموقعہ مصیبت زدوں کی مصیبت دور کرنا اور راستہ بتانا۔ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے۔ کہ دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں۔ ترازو میں (قیامت کے دن) بھاری ہیں۔ رحمن کو پیارے ہیں جو یہ ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم یعنی یہ کلمے ہر وقت زبان پر جاری رہنے چاہئیں۔ اسی طرح استغفار

کی بڑی فضیلت ہے۔ آپ ایک ایک مجلس میں ستر ستر سو سو دفعہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ دل کا زنگ اور دل کی سختی اس سے دور ہو جاتی ہے۔ اور رزق کی فراخی ہوتی ہے۔ اور تنگی دور ہوتی ہے۔ اسی طرح نماز استخارہ کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ جب کوئی کام کرنا ہو جیسے نکاح یا سوداگری وغیرہ تو دو نفل پڑھ کر دعا استخارہ پڑھے۔ اسی طرح تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد یعنی جب وضوء کرے یا مسجد میں آوے تو دو نفل پڑھے اس طرح کی غیر موقت بہت سی عبادات ہیں۔ جنکا شمار یہاں مشکل ہے۔

موقت وہ ہیں جن کے لئے وقت کی تعیین ہے چنانچہ پانچ نمازوں کی بابت ارشاد ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا۔ یعنی نماز مقررہ وقتوں میں ایمان والوں پر فرض کی گئی ہے۔ اسی طرح ماہ رمضان کے روزوں کی بابت ارشاد ہے۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ۔ یعنی جو ماہ رمضان کو تم سے حاضر ہو۔ وہ اس کے روزے رکھے اسی طرح حج کی بابت ارشاد ہے۔ الحج اشھر معلومات یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں۔ اسی طرح نفل نوافل کی بابت بعض دنوں کو بعض پر ترجیح دی ہے چنانچہ عاشورے کے روزے کی بابت فرمایا کہ ایک سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور عرفہ کے روزے کی بابت فرمایا کہ دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے والے کی بابت فرمایا کہ گویا سال ہی روزے رکھتا رہا۔ اور پیر کا اور جمعرات کا روزہ آپ رکھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ ان دنوں میں خدا کے پاس بندوں کے عمل پیش ہوتے ہیں۔ میں دوست رکھتا ہوں۔ کہ خدا کے پاس میرا عمل پیش ہو۔ تو میں روزے دار ہوؤں اور ہر ماہ کی ۱۳-۱۴-۱۵ کو روزہ رکھنے والے کی بابت فرمایا کہ گویا ہمیشہ روزے رکھتا رہا۔ اسی طرح ماہ رمضان میں روزہ رکھانے یا افطار کرانیوالے کی بابت فرمایا کہ اس کو روزے دار جتنا ثواب ہے۔ اور اس مہینے میں علی العموم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سخاوت کرتے تھے۔ اور فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کا ثواب رکھتا ہے اور دیگر نفل نوافل کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اسی طرح عید الاضحیٰ میں قربانی جیسا کوئی عمل نہیں۔ قربانی کا پہلا قطرہ خون کا زمین پر گرتے ہی قربانی کرنے والے کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور ذی الحجہ کے شروع کے دس دنوں میں کوئی عمل کرے اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ فرمایا کہ ان دنوں کے عمل کا مقابلہ جہاد بھی نہیں کر سکتا۔ اور بعض عبادات مکان کی شرافت کی وجہ سے شرافت والی ہو جاتی ہیں جیسے مسجد نبوی میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کا ہے۔ اور مسجد حرام میں ایک لاکھ کا اسی طرح حج عمرہ بھی جگہ کی شرافت کی وجہ سے حج عمرہ بنتا ہے۔ کبھی جگہ میں شرافت نہیں ہوتی مگر نماز اس کو بری حالت سے نکالتی ہے۔ اس لئے نماز کا رتبہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے۔ کہ گھروں میں نفل نماز مسجد سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اسی وجہ سے آپ دوسری حدیث میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جسکا مطلب یہ ہے۔ کہ گھروں میں

نماز پڑھا کرو تاکہ گھر قبرستان کی حالت سے نکل جائیں۔ کیونکہ قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اسی طرح کے بعض اور اسباب بھی ہیں۔ جن سے عبادات کا رتبہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ روزمرہ جب انسان اپنے سودے سے فارغ ہو تو کچھ صدقہ کرنے کا ارشاد ہے۔ تاکہ دن میں بول چال میں جو کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ اس کا کفّارہ ہو جاوے۔

اسی طرح جب گھر میں کھانا پکے تو ہمسایہ کو بھی یاد کرے۔ اور اکیلا نہ کھائے۔ بلکہ کسی غریب کو بھی شامل کرے جیسے عبداللہ بن عمر کی عادت تھی۔ کہ جب کھانا لایا جاتا تو فرماتے کہ کسی (مسافر راہی وغیرہ کو) تلاش کرو۔ کہ میرے ساتھ کھائے غرض اس قسم کی بہت سی عبادات ہیں جن کے لئے قرآن وحدیث میں اوقات یا اسباب مخصوص ہیں۔ اور محدثین نے اپنی کتابوں میں مستقل باب باندھے ہیں۔ جن میں ان عبادات کی تفصیل ہے۔ جیسے مشکوٰۃ صحاح ستہ وغیرہ اور دعاؤں اور وظیفوں اور نفل نوافل کی بابت تو الگ کتابیں موجود ہیں جیسے کتاب عمل الیوم واللیلہ لابن السنی۔ کتاب الاذکار للنووی اور حزب المقبول وغیرہ۔

اب اپنی طرف سے کسی عبادت غیر مُوَقّت کو مُوَقّت بنا لینا یا مُوَقّت کو غیر موقت بنا لینا یا کسی اور وجہ سے اس کا رتبہ بڑھا دینا جس کا شریعت میں ثبوت نہ ہو۔ یہ وہی بدعت ہے جس سے اہلحدیث ہمیشہ منع کرتے ہیں۔ کیونکہ بندے کو شریعت میں کوئی دخل نہیں۔ کہ اپنی طرف سے مُوَقّت یا غیر مُوَقّت بنائے۔ یا کوئی اور تصرف کرے۔ مثلاً گیارہویں بارہویں لوگوں نے مُوَقّت عبادت بنا رکھی ہے۔ اسی طرح مردے کی روٹیاں پہلا تیسرا۔ ساتواں۔ چالیسواں۔ ششماہی اور سالانہ وغیرہ بھی مُوَقّت عبادت بنا رکھی ہے۔ بتلایئے کہیں قرآن وحدیث میں ان کے موقت ہونے کا ذکر آیا ہے؟ یا یہ ذکر آیا ہے؟ کہ کھانا ہی دو نقدی وغیرہ نہ دو۔ یا کسی کا قرض نہ اتارو نہ ان پانچ احادیث میں ان کا ذکر ہے۔ جو رسالہ الفقہ خیر کے صفحہ ۲۳ میں مذکور ہیں جو اوپر گذر چکی ہیں۔ نہ کسی اور روایت وحدیث میں ذکر ہے۔ پھر یہ برا اور بدعت نہیں۔ تو اور کیا ہے

رد المحتار جلد اول صفحہ ۶۶۲ میں ہے۔ لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ بانہ بدعۃ وقال من ظن انہ سنۃ قیاسا علی ندبھما للمولود الحاقا لخاتمۃ الامر بابتدائہ فلم یصب اھ وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھۃ المصافحۃ المعتادۃ عقب الصلوٰۃ مع ان المصافحۃ سنۃ وما ذاک الا لکونھا لم توثر فی خصوص ھذا الموضع فالمواظبۃ علیھا توھم العوام بانھا سنۃ فیہ ولذا امنعوا عن الاجتماع لصلوٰۃ الرغائب التی احدثھا بعض المتعبدین لانھا

لم تو شر علی ھذہ الکیفیۃ فی تلك اللیالی المخصوصۃ وان کانت الصلوٰۃ خیر موضوع۔ انتھیٰ۔

یعنی میت کو قبر میں رکھنے کے وقت اذان دینا جو آج کل مُروّج ہے یہ مسنون طریقہ نہیں۔ ابن حجر نے اپنے فتاوی میں تصریح کی ہے۔ کہ یہ بدعت ہے۔ اور جس نے لڑکے کی پیدائش کے وقت کی اذان پر قیاس کرکے اس کے سنت ہونے کا گمان کیا ہے۔ تاکہ خاتمہ ابتداء کے موافق ہو جائے۔ اس نے درست نہیں کیا۔ اور ہمارے بعض علماء اور دوسروں نے اس کی تصریح کی ہے کہ نمازوں کے بعد معافحہ مُروّج مکروہ ہے۔ حالانکہ مصافحہ فی نفسہٖ ایک سنت امر ہے۔ لیکن اس محل کی خصوصیت ثابت نہیں اس لئے مکروہ ہے پس ہمیشہ اس قسم کا مصافحہ کرنا اس سے عوام کو دھوکا لگتا ہے۔ اور اسی لئے نماز رغائب کیلئے جمع ہونا علماء نے منع کیا ہے جس کو بعض بناوٹی صوفیوں نے بدعت نکالا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کے ساتھ ان خاص راتوں میں ثابت نہیں۔

ردالمختار کے جلد اول کے ص۴۶۲ میں ہے۔ "فی حاشیۃ الاشباہ للحموی ھی التی فی رجب فی اول لیلۃ جمعۃ منہ قال ابن الحاج فی المدخل وقد حدثت بعد اربع مائۃ و ثمانین من الھجرۃ وقد صنف العلماء کتبا فی انکارھا وذمھا وتسفیہ فاعلھا ولا یغتر بکثرۃ الفاعلین لھا فی کثیر من الامصار۔ انتھیٰ"

یعنی حاشیہ اشباہ للحموی میں ہے۔ کہ صلوۃ رغائب وہی ہے جو رجب کی پہلی جمعرات میں پڑھی جاتی ہے۔ ابن حاج کہتے ہیں۔ کہ ۴۸۰ھ ہجری کے بعد حادث ہوئی ہے۔ اور علماء نے اسپر انکار کیا ہے۔ اور اس کی مذمت میں کتابیں لکھیں اور اس کے پڑھنے والے کو بیوقوف کہا ہے۔ اگرچہ بہت سے شہروں میں اس کے پڑھنے والے کثرت سے موجود ہیں۔ مگر اس سے دھوکا نہ کھانا چاہیے۔

دیکھیے مصافحہ۔ اذان اور نماز یہ سب نیک کام ہیں۔ مگر جس طرح لوگوں میں ان کا رواج پڑ گیا ہے اس طرح سے شرع میں ثابت نہیں۔ اس لئے یہ بدعت ہو گئے۔ اور بجائے نیکی کے بدی بن گئے۔ ٹھیک اسی طرح ہر ایک شرعی کام کی بابت شرع سے ثبوت لینا چاہیے۔ محض اپنے قیاس ورائے سے اس کو نیک سمجھ کر کرنے لگ جانا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ کی عمارت بناتے تھے۔ اس کی بابت قرآن میں ارشاد ہے۔ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی یعنی مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ۔ اسی طرح مائی ھاجرہ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے صفا مروہ کے درمیان پانی کی تلاش میں چکر کاٹے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کو ہمارے لئے عبادت بنا دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بھما

یعنی صفا مروہ اللہ (کے دین کے) نشانوں سے ہیں۔ پس جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے۔ اس پر گناہ نہیں۔ کہ صفا مروہ کا بھی طواف کرے۔ یعنی ان کے درمیان دوڑے

بتلائیے اب ہم اپنی طرف سے اسی طرح کرنا شروع کر دیں؟ کیا جب کسی بزرگ کو پانی کیلئے دوڑتا ہوا دیکھیں یا پتھر رکھ کر طہارت بناتے دیکھیں تو اس دوڑنے کو یا کھڑا ہونے کو حج کے ارکان یا واجبات سمجھ لیا کریں۔ کیا خیر قرون میں ایسا ہوا؟ کیا انہوں نے آثار صالحین سے ایسا تبرک کیا؟ بلکہ وہ تو وہ کام کرتے تھے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑا پس ہمیں بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہ بنانی چاہیئے۔ اور ان کے قدم بقدم چلنا چاہیئے۔ اور ایسا طریق عبادت اختیار نہ کرنا چاہیئے جو ان سے ثابت نہ ہو۔ مثلاً انہوں نے کسی بزرگ کو یا قبر کو سجدہ نہیں کیا۔ نہ کسی بزرگ کی قبر کا طواف کیا۔ نہ قبروں پر غلاف چڑھائے نہ قبے بنائے۔ نہ اور کوئی اس قسم کا کام کیا۔ جیسے قبہ پرست کرتے ہیں۔ تو بتلائیے کہ یہ کام کیونکر جائز ہونگے۔ اگر محض اپنے قیاس سے جائز قرار دیں۔ تو کل کوئی گھر میں قبریں بنانی شروع کر دیگا۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے۔ وہیں دفن ہوتا ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہوئے۔ کیونکہ وہیں فوت ہوئے تھے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہیں دفن ہوئے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے رو سے وہاں دفن ہوئے۔ تو حجرے کے جس حصہ میں آپ کا مدفن ہے۔ اس حدیث کے رو سے وہ قبرستان ہو گیا۔ پس گنجائش کی صورت میں دوسرے کا دفن ہونا بھی وہاں صحیح ہو گیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ لائق تھے۔ اس لئے وہ وہاں دفن کئے گئے۔ اس کے علاوہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ حدیث آئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بابت بھی آئی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز نکلے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ اور آپ کی ایک طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری طرف عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور آپ دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے پس فرمایا کہ ہم قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں اور عیسیٰ علیہ السلام دونوں ایک قبر سے اٹھینگے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان۔

بتلائیے! ہم بھی اسی طرح کریں اور اس کام کو نیک سمجھ کر گھروں کو قبریں بنانے لگ جائیں۔

کبیری شرح منیہ کے ص۵۱۶ میں ہے۔ ویکرہ الدفن فی البیت الذی مات فیہ سواء کان صغیرا او کبیرا لان ذلک خاص بالانبیاء۔ انتھٰی یعنی جس گھر میں کوئی مر جائے۔ اس کو اس گھر میں دفن نہ کرنا چاہیئے۔ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا کیونکہ یہ انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔

ہمیں ان لوگوں پر بڑا تعجب ہے جو گھروں کو قبرستان نہیں بناتے۔ بلکہ اس کا الٹ کرتے ہیں۔ یعنی

قبرستان کو گھر بناتے ہیں۔ یعنی قبروں پر گنبد اور عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ گویا یہ ایسا ہو گیا۔ جیسے کوئی کہے کہ دودھ ہمیشہ سفید ہوتا ہے۔ تو اس کو کوئی الٹا کر یوں بنائے۔ کہ سفید ہمیشہ دودھ ہوتا ہے جس سے لازم آگیا۔ کہ چونہ بھی دودھ ہو۔ کیونکہ وہ سفید ہوتا ہے۔ حالانکہ چونا دودھ نہیں۔ دیکھئے یہ لوگ کیسے ورطہ میں پڑے ہیں پھر اس بات کا بھی خیال نہیں کرتے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تو ان احادیث کی وجہ سے خاص ہو گئے۔ باقی کی بابت کیا دلیل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تو جب تک تخصیص کی دلیل نہ پائی جائے۔ اس کا جواز ثابت نہیں ہوگا۔ خصوصاً جبکہ وہ امام بھی منع کرتے ہیں جنکی تقلید پر آج زور دیا جاتا ہے۔ اور رسائل لکھے جا رہے ہیں جن میں سے ایک رسالہ الفقہ خیر بھی ہے۔ پھر وہ اس میں اکیلے نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ اور بھی ہیں۔ کبیری شرح منیہ کے ص۵۵۳ میں ہے۔ عن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذلک کما مر من الحدیث یعنی امام ابوحنیفہ صاحب سے روایت ہے۔ کہ قبر پر کسی قسم کی عمارت بنانی مکروہ ہے۔ خواہ مکان ہو یا قبہ یا مثل اس کے حدیث گذشتہ کی وجہ سے اور اس سے دو چار سطر پہلے لکھتے ہیں۔ یکرہ تجصیص القبر وتطیینہ وبہ قال الائمۃ الثلاثۃ لما قال جابر نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یکتب علیہا وان یبنی علیہا رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی فی صحیحہ ولفظہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یکتب علیہا وان یبنی وان توطا۔ یعنی قبر کو گچ کرنا اور اس کو خوشبو لگانا مکروہ ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں۔ کیونکہ جابرؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبروں کے گچ کرنے اور ان پر لکھنے اور ان پر عمارت بنانے سے نہی کی ہے۔ روایت کیا اس کو مسلم نے اور ابوداؤد نے اور ترمذی نے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ترمذی کے لفظ یہ ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی کی ہے۔ کہ قبریں گچ کی جائیں۔ اور ان پر لکھا جائے۔ اور ان پر چڑھا جائے اور فتاوی قاضیخان جلد اول کے صفحہ ۷۰ میں ہے۔ عن ابی حنیفۃ رح انہ قال لا یجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء انتہی یعنی امام ابوحنیفہ صاحب فرماتے ہیں۔ قبر چونہ گچ سے نہ کی جائے نہ لیپی جائے نہ اس پر عمارت بنائی جائے۔ اسی طرح کتاب الآثار امام محمدؒ کے ص۴۹ میں امام ابو حنیفہ کا قول ذکر کیا ہے۔ کہ قبر کو گچ کرنا اور لیپنا یا اس کے پاس کوئی مسجد یا نشان بنانا یا اس پر لکھنا ...... یا اس کو پختہ کرنا یہ سب مکروہ ہے اور فتاویٰ عالمگیری جلد اول کے ص۱۶۶ میں ہے کہ قبر پر عمارت اور مسجد بنانا مکروہ ہے اسی طرح ہر شئے جو سنت سے معلوم نہ ہوا اور سنت سے صرف یہی معلوم ہے زیارت کرنا اور دعا کرنا اور مجالس الابرار کے صفحہ ۳۵۴ میں ہے کہ قبروں پر قبہ وغیرہ بنانا مکروہ ہے اسی طرح صغیری شرح منیہ کے

ص۲۹ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے۔ کہ قبر پر عمارت بنانی خواہ مکان ہو یا قبہ یا مثل اس کے مکروہ ہے اسی طرح شرح الیاس اور جامع الرموز اور مستخلص وغیرہ میں ہے۔ اور غنیۃ الطالبین کے ص۹۲ میں شاہ عبدالقادر جیلانی جن کی یہ لوگ گیارہویں دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ کہ قبر زمین سے صرف ایک بالشت اونچی بنائی جائے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ قبر گچ کرنی مکروہ ہے اور رد المختار جلد اول کے ص۶۶۲ میں ہے۔ عن ابی حنیفۃ یکرہ ان یبنی علیہ بناء من بیت او قبۃ او نحو ذلک لما روی جابر نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن تجصیص القبور وان یکتب علیھا وان یبنی علیھا۔ رواہ مسلم وغیرہ۔ انتھی یعنی امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔ کہ قبروں پر کسی قسم کی عمارت مکان یا قبہ وغیرہ کی قسم سے بنانا مکروہ ہے۔ کیونکہ جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونہ گچ کرنے سے اور ان پر لکھنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے روایت کیا اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے درمختار مع رد المحتار میں اس سے تھوڑا سا پہلے لکھا ہے۔ ویھال التراب علیہ وتکرہ الزیادۃ علیہ من التراب لانہ بمنزلۃ البناء۔ یعنی دفن کے وقت میت پر مٹی ڈالی جائے۔ اور قبر کی مٹی سے زیادہ مٹی ڈالنی مکروہ ہے۔

رد المحتار میں اس پر لکھتے ہیں۔ وتکرہ الزیادۃ لما فی صحیح مسلم عن جابر قال نھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یجصص القبر وان یبنی علیہ و زاد ابو داؤد وان یزاد علیہ۔ (حلیہ) یعنی زیادہ مٹی اس لئے مکروہ ہے۔ کہ صحیح مسلم میں جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پختہ اور ان پر عمارت بنانے سے نہی کی ہے۔ ابوداؤد میں یہ لفظ بھی ہے۔ کہ زیادت سے نہی کی ہے۔

ان عبارتوں سے قبوں وغیرہ کی حقیقت واضح ہوگئی۔ یہاں تک کہ قبر کی مٹی پر زیادتی بھی مکروہ ہے ہاں نشانی کیلئے سر کے پاس پتھر رکھنا جائز ہے۔ یا اوپر کنکریں بچھانی جائز ہیں۔ چنانچہ یہ بھی ابوداؤد وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ ملاحظہ ہو مشکوۃ باب دفن المیت اس کے سوا اور کوئی زیادتی ثابت نہیں۔ پس ہر قسم کی زیادتی نہی میں داخل رہیگی۔ مگر جو احادیث سے خاص ہوگئی خواہ کوئی ہو کیونکہ احادیث تو ہمارا عین ایمان ہے اور ان عبارتوں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا۔ کہ مکروہ سے مراد تحریم ہے۔ کیونکہ جب مکروہ ہونیکی دلیل احادیث بالا مذکورہ میں جن میں نہی ہے۔ اور نہی میں اصل تحریم ہے۔ جیسے امر میں اصل وجوب ہے تو ضرور ہے۔ کہ فقہاء کی عبارتوں میں مکروہ سے مراد تحریم ہو۔

اس کے علاوہ رد المحتار جلد اول کے ص۱۶۵ باب المیاہ میں ہے۔ قال فی البحر واعلم ان المکروہ

اذا اطلق فی کلامھم فالمراد منہ التحریم الا ان ینص علی کراھۃ التنزیہ فقد قال المصنف فی المصفی لفظ الکراھۃ عند الاطلاق یراد بھا التحریم قال ابو یوسف قلت لابی حنیفۃ اذا قلت فی شئی اکرھہ فما رایک فیہ قال التحریم۔ انتہٰی۔

یعنی مکروہ جب ان کے کلام میں آوے۔ تو اس سے مراد تحریم ہے۔ مگر یہ کہ کراہت تنزیہ کی تصریح کی جائے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں میںنے امام ابو حنیفہ سے پوچھا۔ کہ جب آپ کراہت کا لفظ بولیں تو آپ کی کیا رائے ہوتی ہے۔ فرمایا تحریم۔

ناظرین خیال فرماویں کہ قبوں کی کیسی بیخکنی کی ہے۔

اس کے علاوہ اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں ہے۔ لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھا المساجد والسرج۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت کرنیوالیوں کو اور ان پر مسجدیں بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانیوالوں کو لعنت کی ہے۔ مشکوۃ میں ہے۔ لما مات الحسن ابن الحسن بن علی ضربت امرأتہ القبۃ[1] علی قبرہ سنۃ ثم رفعت فسمعت صائحا یقول الا ھل وجدوا ما فقدوا فاجابہ اخر بل یئسوا فانقلبوا۔

یعنی جب حسن بن حسن حضرت علی کے پوتے فوت ہوگئے۔ تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ لگائے رکھا۔ سال کے بعد جب خیمہ اٹھایا تو (غیب سے) ایک نیک (کہنے والے) نے کہا کہ کیا جو کچھ گم پایا تھا مل گیا۔ دوسرے نے کہا بلکہ نا امید ہو کر لوٹ گئے عینی شرح بخاری میں ہے۔ واوصی ابو ھریرۃ عند موتہ ان لا تضربوا علی فسطاطا۔ یعنی حضرت ابو ھریرہ نے وفات کے وقت وصیت کی کہ مجھ پر خیمہ نصب نہ کرنا نیز عینی شرح بخاری میں ہے۔ مر عبد اللہ بن عمر علی قبر عبد الرحمن بن ابی بکر اخی عائشۃ وعلیہ فسطاط مضروب فقال یا غلام انزعہ فانما یظلہ عملہ فقال الغلام تضربنی مولاتی قال کلا فنزعہ۔ انتھی

یعنی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر حضرت عائشہ کے بھائی کی قبر پر گذرے اس پر خیمہ لگایا ہوا تھا۔ فرمایا اے غلام اس کو اکھاڑ دے۔ کیونکہ اس کو صرف اس کا عمل سایہ کریگا۔ غلام نے کہا میری مالکہ مجھے مایگی فرمایا ہرگز نہیں پس اس کو اکھاڑ دیا۔

دیکھئے خیموں تک تو قبروں پر لگانا ٹھیک نہیں یہ لوگ سنگ مرمر کی عظیم الشان عمارتیں بناتے ہیں۔ اور قبے تعمیر کرتے ہیں۔ اور غلاف چڑھاتے ہیں۔ اور قندیلیں لٹکاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے خرافات کرتے ہیں۔ خدا ان کو ہدایت دے۔ پھر تعجب ہے کہ جو ان منکرات کو بدلے اس کو برا کہتے ہیں۔ اور بزرگوں کے

[1] یہاں قبہ سے مراد خیمہ ہے چنانچہ ضرب کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے ۱۲۔

حق میں اس کو گستاخ سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ منکر کام کو بدلنا ضروری ہے ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ عبداللہ بن عمرؓ نے خیمہ اکھاڑ دیا ۔
اس کے علاوہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے عن ابی ھیاج الاسدی قال قال لی علی الا ابعثك علی ما بعثنی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم الا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته رواه مسلم (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۵)۔
یعنی ابی ھیاج کہتے ہیں ۔ کہ مجھے حضرت علیؓ نے کہا کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا کہ کوئی تصویر نہ چھوڑے مگر اس کو مٹا دے ۔ اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑے مگر اس کو برابر کر دے اور مسند احمد جلد اول کے صفحہ ۱۳۸ میں قبر تصویر اور بت تینوں کا ذکر ہے ۔ اور اس کے اخیر میں ہے ۔ فمن عاد فصنع شیئا من ذلك فقد کفر بما انزل علی محمد یعنی جو شخص ان تینوں میں سے کوئی کام کرے ۔ وہ اس شیئی کے ساتھ کافر ہو گیا جو اللہ نے محمد پر اتاری ۔
یہ حدیث عام ہے خواہ مسلم کی قبر ہو یا غیر مسلم کی اس میں کسی کی خصوصیت نہیں کی انہی روائتوں کی بنا پر نجدیوں نے قبے گرا دیئے جنکی وجہ سے ہندوستان میں بہت شور ہوا حالانکہ جب قبے شرع میں ایک منکر امر ہیں ۔ تو منکر امر کو قائم رکھنا کیونکر جائز ہو گا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان ۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶) یعنی جو شخص تم سے منکر کام کو دیکھے ۔ تو اس کو ہاتھ سے بدل دے ۔ اگر طاقت نہ رکھے تو زبان سے کہہ دے ۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے برا جانے ۔ اور یہ کمزور ایمان ہے ۔ ملا علی قاری حنفی شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں ۔ قال العلماء یستحب ان یرفع القبر قدر الشبر ویکرہ فوق ذلك و یستحب الھدم انتہیٰ یعنی علماء نے کہا ہے ۔ کہ مستحب یہ ہے ۔ کہ قبر ایک بالشت قدر اونچی کی جائے ۔ اور اس سے زیادہ مکروہ ہے ۔ اور اس کا گرانا مستحب ہے ۔ بلکہ واجب ہے چنانچہ شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۳۷۲ میں ہے ۔ ویجب الھدم وان کان مسجدا یعنی گرانا واجب ہے خواہ مسجد ہی ہو ۔ ابن حجر مکی کتاب الزواجر کے صفحہ ۱۶۳ میں لکھتے ہیں ۔ وتجب المبادرۃ لھدمھا وھدم القباب التی علی القبور اذھی اضر من مسجد الضرار لانھا اسست علی معصیة الرسول لانه نهی عن ذلك وامر صلی الله علیه وسلم بھدم القبور مشرفة ویجب ازالة کل قندیل وسراج علی قبر ...
یعنی جو مسجدیں اور قبے قبروں پر ہوں ۔ ان کے گرانے میں جلدی کرنی چاہیے ۔ کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ ضرر دینے والے ہیں

۱۔ اور اسکی روقف اور نذر صحیح نہیں

کیونکہ ان کی بنا معصیت پر ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ اور اونچی قبروں کے گرانے کا حکم دیا ہے۔ اور ہر قندیل اور ہر چراغ کا بھی قبر پر سے ازالہ واجب ہے۔

نووی شرح مسلم طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۳۱۵ میں ہے قال الشافعی فی الام ورأیت الائمۃ بمکۃ یامرون بھدم ما یبنی ویؤید الھدم قولہ ولا قبرا مشرفا الا سویتہ۔ یعنی امام شافعی کتاب الام میں کہتے ہیں میں نے مکہ میں ائمہ کو دیکھا ہے کہ قبروں کی عمارتوں کے گرانیکا حکم دیتے اور اسکی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ کوئی قبر اونچی نہ چھوڑ مگر اسکو برابر کردے شاہ ولی اللہ صاحب بلاغ المبین میں لکھتے ہیں۔ مصنف کتاب الابرار در فصل بیان عدم جواز نزد قبور ونفی استمداد و استعانت از اہل قبور ومنع چراغاں وروشنی شموع برائے قبور آوردہ مے نویسد والواجب ھدم ذلک کلہ ومحو اثرہ کما ان عمر بلغہ ان الناس یتناوبون الشجرۃ التی بویع تحتھا بالنبی علیہ الصلوۃ والسلام ارسل الیھا فقطعھا۔ یعنی واجب است شکستن اینہمہ آنچہ مذکور شد از اقسام پرستش کارہائے باطلہ ومحو کردن نشان آں نیز واجب چنانچہ عمرؓ راہرگاہ خبر رسید کہ آدمیاں نوبت بنوبت مے آیند نزد درختے کہ بیعت کردہ بودند زیر آں با پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کسی رابسوئے آں درخت فرستاد تا ببرد آں راپس آں شخص قطع نمود آں قدر وایتے است فاستاصلھا یعنی از بیخ برکندش وہمیں روایت برائے محو اثراں موافق تر است پس بعد کلمہ قطعہا در کتاب مذکور مے نویسد آنچہ ترجمہ اش نوشتہ مے آید پس ہرگاہ کہ عمرؓ اینچنیں کردہ باشد بدرختے کہ رسول خدا زیر آں درخت از صحابہ کرام بیعت گرفتہ بود وحق تعالیٰ آں درخت را در کلام خود ذکر فرمود لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ پس چہ باشد حکم وے در ماسوائے آں درخت از اقسام انصاب کہ بسبب آنہا فتنہ عظیم برپا شدہ است وبلائے شدید دبلیغ تر ازیں فعل عمر رضی اللہ عنہ آنست کہ تحقیق آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام مسجد ضرار راہدم کردند پس ایں ھدم دلیل است قوی بر عدم آنچہ بزرگ تر است ازاں مسجد از روئے فساد ہمچو مسجد مبنی بر قبور پس حکم اسلام در انہا اینست کہ ہمہ را منہدم ساختہ زمینش ہموارہ کردہ شود وہمچنیں قبہائے کہ بر قبور بنا شدہ اند ہدم آں واجب زیرا آنچہ آنہا اساس نہادہ شدہ است بر عصیاں پیغمبر وبر خلاف آں علیہ الصلواۃ والسلام وہر بنائیکہ بنیاد نہادہ شود بر معصیت ومخالفت رسولؐ پس آں بنیاد اولی بہدم است از مسجد ضرار ونیز سبب وجود ہدم چنیں بنائے آنست کہ سرورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نہی فرمودہ است ومنع کردہ بنا را بر قبور ولعنت کردہ است کہ بر انہا مساجد سازند پس بود واجب شد کہ مبادرت ومسارعت نمودہ آید بسوئے ہدم آنچہ ممنوع رسول علیہ الصلوۃ والسلام است۔ وآنچہ

ملعون است بنا کنندہ آں وہمچنیں واجب است ازالہ ہر قندیل وچراغ وشموع کہ بر قبور روشن کردہ میشود
زیرآنکہ فاعل انرا نیز رسول خدا لعنت گفتہ است پس ہرچہ ور آں رسول لعنت کردہ باشد آں فعل از
گناہاں کبیرہ است ازینجا ست کہ علماء اسلام گفتہ اند جائز نیست کہ نذر کردہ شود برائے قبور شمع وچراغ
وروغنے وغیرآں زیرآنکہ ایں نذر نذر معصیت است ایفلئے آں مباح نیست بلکہ لازم میشود درچنیں
نذر کفارت مانند کفارت قسم ونیز جائز نیست کہ وقف کردہ شود برآنہا چیزے ازیں قبیل زیرآنکہ این
وقف صحیح نیست واثبات وتنفیذ آں حلال نہ انتہی بمعلوم باد کہ چوں درحق حضرت عمرؓ آں سرور دوعالم
علیہ الصلوٰۃ فرمودہ است ۔ لوکان بعدی نبیا لکان عمر فتنہ کہ مبدأ اشراک است ہم درامم سابقہ دہم
دریں امت بعد از آں حضرت بہ قول وفعل عمرؓ بالکل نیست ونابود گردید بہ تجیکہ اصلا فروع حقیقت مشتبہ الفتنہ
دراذہاں مسلمانان موحد نماندہ است چنانچہ از آثار عمر بالا مسطور شد (بلاغ المبین ص۳۶) یعنی کتاب مجالس الابرار
میں جس فصل میں یہ بیان ہے کہ قبروں کے پاس نماز ناجائز ہے ۔ اور اہل قبور سے استمداد اور استعانت باطل
ہے ۔ اور قبروں پر چراغوں اور شمع کی روشنی ممنوع ہے ۔ اس فصل میں لکھتے ہیں ۔ کہ ان تمام امور باطلہ کا گرانا
اوران کا نشان مٹانا واجب ہے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو جب خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس یکے بعد
دیگرے آتے ہیں ۔ جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے (جہاد پر) بیعت لی تھی تو کسی کو
بھیج کروہ درخت کٹوا دیا ۔ اور ایک روایت میں ہے ۔ کہ جڑ سے اکھاڑ دیا ۔ پس جب حضرت عمرؓ نے اس درخت
کے ساتھ ایسا کیا جس کے نیچے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے (جہاد پر) بیعت لی اور خدا نے اس
کو قرآن میں ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہے لقد رضی اللہ عن المؤمنین ۔ الآیہ یعنی اللہ تعالےٰ ایمان والوں
سے راضی ہوگیا جبکہ درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کرتے تھے ۔ تو اس درخت کے سوا باقی پوجا پاٹ کی جگہ
کا کیا حکم ہوگا ۔ جن کی وجہ سے بہت بڑا فتنہ پیدا ہوگیا ہے ۔ اور ایک بڑی مصیبت کا سامنا ہے اور
حضرت عمرؓ کے فعل سے بڑھکر یہ ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار گرادی پس مسجد ضرار
کا گرانا اس کے گرانے کی قوی دلیل ہے ۔ جو فتنہ وفساد میں مسجد ضرار سے بڑھکر ہو جیسے وہ مسجدیں جو قبروں
پہ بنائی گئی ہوں ۔ پس حکم اسلام کا یہ ہے ۔ کہ یہ تمام گرا کر زمین کو برابر کردیا جائے ۔ اسی طرح جو قبے قبروں
پر بنائے گئے ہیں ۔ ان کا گرانا بھی واجب ہے ۔ کیونکہ (مسجد ضرار کی طرح) ان کی بنا ہی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نافرمانی اور مخالفت پر رکھی گئی ہے ۔ پس ان کا گرانا مسجد ضرار کے گرانے سے زیادہ ضروری ہے
کیونکہ مسجد ضرار کے فتنہ وفساد سے ان کا فتنہ وفساد بڑھکر ہے ۔ اور نیز ان قبوں وغیرہ کے گرانے
کی ایک وجہ یہ بھی ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر ایسی بنا سے نہی کی ہے ۔ اور قبروں

پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے پس واجب ہوا کہ اس شئی کے گرانے میں جلدی کی جائے۔ جو ممنوع ہے اور لعنت کا باعث ہے اسی طرح قندیلوں اور چراغوں اور شمعوں کا دور کرنا بھی واجب ہے جو قبروں پر روشن کی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے کرنے والے پر بھی رسول اللہ صلی اللہ نے لعنت کی ہے۔ اور اسی وجہ سے علماء اسلام نے کہا ہے۔ کہ قبروں کے لئے شمع اور چراغ اور روغن وغیرہ کی نذر ماننی درست نہیں کیونکہ یہ نذر نذر معصیت ہے۔ اس کا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ ایسی نذر میں کفارہ قسم کا لازم ہوتا ہے۔ نیز اس قسم کی کوئی شیئی وقف کرنی بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ وقف صحیح نہیں۔ اور اس کا نافذ کرنا حلال نہیں (انتہی) معلوم ہونا چاہیے۔ کہ جب حضرت عمر کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا تو ان کے قول فعل سے اس فتنہ کی جڑ کٹ گئی۔ جو پہلی امتوں میں اور اس امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مبدأ شرک ہے۔ ایسی جڑ کٹی کہ شبہ شرک کی فروع موحد مسلمانوں کے اذھان میں بالکل نہیں رہیں۔ انتہی۔

فتح الباری جزء ۷ کے صفحہ ۳۸ میں ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل الکعبۃ فرأی صورۃ ابراھیم فدعا بماء فجعل یمحوھا وقد تقدم فی الحج۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اس میں ابراہیم علیہ السلام کی صورت دیکھی پس اس کو مٹانا شروع کیا اور یہ حدیث حج کے باب میں پہلے گذر چکی ہے۔

دیکھیے جب بزرگوں کی صورتوں کو مٹانا جائز ہوا تو قبے تو ان کے مقابلہ میں معمولی شئی ہیں۔ ان کا گرانا کیونکر جائز نہ ہوگا۔ پھر تعجب کی بات ہے۔ کہ اسی وجہ سے نجدیوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے۔ احادیث کا مقتضٰی بھی یہی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا قول مذکور بھی اسی کو چاہتا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی جاتی بلکہ ان کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرایا جاتا ہے۔ جس میں یہ ذکر ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کیلئے دعا نہیں کی۔ اور فرمایا کہ اس جگہ زلزلے اور فتنے ہیں۔ اور اس میں شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ حالانکہ نجد کئی علاقوں کا نام ہے۔ نجد یمن۔ نجد یمامہ۔ نجد حجاز۔ نجد مربع۔ نجد لبلب نجد بادیہ عراق وغیرہ ملاحظہ ہو قاموس اور معجم البلدان وغیرہ یہ نجد جس میں ابن سعود ہے۔ یہ نجد یمن ہے۔ اور اس حدیث میں جس میں نجد کیلئے دعا نہیں کی اس نجد سے مراد بادیہ عراق ہے۔

کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے فرمایا کہ فتنہ اس جگہ ہے جہاں سے سینگ شیطان کا نکلتا ہے۔ یہ حدیث بخاری کے صفحہ ۱۰۵۰ میں ہے اس پر فتح الباری میں لکھا ہے۔ وفی روایۃ شعیب الا ان الفتنۃ ھھنا یشیر الی المشرق

حیث یطلع قرن الشیطان۔ یعنی آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ فتنہ اس جگہ ہے جہاں سینگ شیطان کا نکلتا ہے۔ مسلم شریف طبع مصر جلد ۵ کے صفحہ ۳۹۹ میں ابن عمر سے روایت ہے سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یشیر بیدہ نحو المشرق ویقول ان الفتنۃ ھھنا ثلاثا حیث یطلع قرن الشیطان یعنے المشرق۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ فتنہ اس جگہ ہے۔ جہاں شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ فتنوں کی جگہ اور جہاں شیطان کا سینگ نکلتا ہے۔ یعنی جہاں شیطان زیادہ فساد کرتا ہے۔ وہ مشرق کی جانب ہے۔ اور چونکہ یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں فرمائی ہے۔ اس لئے مدینہ کی مشرق کی جانب مراد ہوگی۔ بخاری کے صفحہ مذکور میں ہے۔ قام الی جنب المنبر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر کے کنارے کھڑے ہو کر حدیث مذکور بیان فرمائی اور مسلم کے صفحہ مذکور میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حدیث بیان فرمائی۔ تو حضرت عائشہ کے گھر سے نکلے تھے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ منبر آپکا مدینہ میں تھا۔ اور حضرت عائشہؓ کا گھر بھی مدینہ میں ہے۔ تو بہر صورت مدینہ کی مشرق کی جانب مراد ہو گی۔ اب ہم بتلاتے ہیں۔ کہ مدینہ کی مشرق کی جانب کونسا نجد ہے۔

فتح الباری جزء ۲۹ صفحہ ۵۲ میں اس حدیث پر لکھا ہے۔ قال الخطابی نجد من جھۃ المشرق ومن کان بالمدینۃ کان نجدہ بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھل المدینۃ یعنی خطابی کہتے ہیں۔ اس حدیث میں مشرق کی جانب کا نجد مراد ہے۔ اور جو مدینہ میں تھے۔ ان کا نجد علاقہ عراق اور اس کا گرد و نواح ہے۔ اور علاقہ عراق مدینہ کا مشرق ہے۔

مولوی احمد علی سہارنپوری حاشیہ بخاری میں کرمانی سے نقل کرتے ہیں۔ ومن کان بالمدینۃ المطیبۃ صلے اللہ علی ساکنھا وسلم کان نجدہ بادیۃ العراق ونواحیھا وھی مشرق اھلھا۔ یعنی مدینہ والوں کا نجد علاقہ عراق اور اس کا گرد و نواح ہے۔ اور علاقہ عراق اور اس کا گرد و نواح ہی اہل مدینہ کا مشرق ہے۔ اس کے علاوہ احادیث میں جب مطلق نجد کا ذکر آتا ہے۔ تو قطع نظر دلیل خارجی سے نجد عراق ہی مراد ہوتا ہے۔ مسلم باب اعطاء المؤلفۃ وغیرہ میں حدیث ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے یمن سے تھوڑا سا سونا بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے طور پر زید الخیر وغیرہ کو دیدیا قریش ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرداروں نجد کو دیتے ہیں۔ اور ہمیں نہیں دیتے آپنے فرمایا کہ میں ان کو تالیف قلوب کے لئے دیتا ہوں۔ اس حدیث میں نجد سے مراد نجد عراق ہے کیونکہ زید الخیر بنی نبہان سے ہیں۔ جو طی سے ایک قبیلہ ہے۔ ان کی جگہ شہر فید ہے۔ جو نجد عراق میں ہے کوفہ

سے مکہ کو آتے ہوئے رستے میں پڑتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معجم البلدان جلد ۶ صفحہ و تاج العروس جلد ۲ صفحہ ۹۷
اسی طرح تاریخ ابن جریر جلد ۳ کے صفحہ ۲۲۵ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اہل ردہ کی لڑائی میں نکلے۔ تو مقام ذی القصہ میں اترے جو مدینہ سے نجد کی جانب ایک برید یعنی بارہ میل کے فاصلہ پر ایک منزل ہے۔

اس حدیث میں بھی نجد سے مراد نجد عراق ہے۔ کیونکہ ذی القصہ ربذہ کا رستہ ہے۔ اور ربذہ فید کا رستہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۲۲ و جلد ۷ صفحہ ۱۱

اسی طرح بخاری باب السریۃ التی قبل نجد میں حدیث ہے۔ ابن عمر کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ اس حدیث پر کرمانی لکھتے ہیں۔ کلما ارتفع من تھامۃ الی ارض العراق فھو نجد۔ (حاشیہ مولوی احمد علی صاحب حنفی)
یعنی تہامہ سے زمین عراق تک جتنا بلند قطع ہے۔ وہ سب نجد ہے۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث میں زیادہ تر نجد عراق ہی مشہور ہے۔ اس کے علاوہ بعض روایتوں میں عراق کا صراحۃً ذکر آگیا ہے چنانچہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ میں اور منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۳۷۶ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام اور یمن کیلئے اور ان کے پیمانہ کی بابت برکت کی دعا کی تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہمارے عراق کیلئے تو فرمایا۔ اوس میں سینگ شیطان کا ہے۔ اور فتنے ہیں۔ اور قساوت مشرق میں ہے۔[۱] رواہ الطبرانی فی الکبیر . . . .

. . . . اور کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۶۴ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ ہمارے مدینہ میں اور شام میں اور یمن میں برکت کر تو ایک شخص نے کہا پس عراق کیلئے بھی دعا کیجئے کیونکہ اس میں ہمارا غلہ اور ہماری ضرورتیں ہیں۔ آپ چپ رہے۔ اس نے اس بات کو لوٹایا۔ آپ نے پھر سکوت کیا۔ پھر فرمایا کہ اس میں قرن شیطان کا نکلیگا۔ اور اس میں زلزلے اور فتنے ہونگے۔[۲] رواہ ابن عساکر
مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ میں ہے۔ عن ابن عمر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] اس حدیث کی اصل عبارت یہ ہے۔ اللھم بارک لنا فی صاعنا ومدنا ومکتنا ومدینتنا وبارک لنا فی شامنا ویمننا فقال رجل وعراقنا قال ان فیھا قرن الشیطان وتھیج الفتن وان الجفاء بالمشرق۔ انتھی

[۲] اس حدیث کی اصل عبارت یہ ہے۔ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی مدینتنا اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا فقال لہ رجل فالعراق فان فیھا میرتنا وفیھا حاجتنا فسکت ثم اعاد علیہ فسکت فقال بھا یطلع قرن الشیطان وھناک الزلازل والفتن۔ انتھی۔

يشير بيده نحو العراق ها ان الفتنة ههنا ثلث مرات من حيث يطلع قرن الشيطان
یعنی ابن عمر فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اپنے ہاتھ سے عراق کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ کہ خبردار فتنے اس جگہ ہیں جہاں سے سینگ شیطان کا نکلتا ہے مسلم کتاب الفتن میں حدیث ہے کہ سالم بن عبداللہ نے اہل عراق کو کہا۔ کہ تم لوگ صغیرے گناہوں سے کسقدر سوال کرتے ہو۔ اور بڑے گناہوں کے مرتکب ہوتے ہو۔ پھر اپنے باپ عبداللہ بن عمرؓ سے یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فتنے مشرق کی جانب سے آئینگے جہاں سے سینگ شیطان کے نکلتے ہیں پس جب علی العموم احادیث میں نجد سے نجد عراق اور مدینہ کی مشرق کی جانب مراد ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کے مشرق کی جانب اشارہ کرنا یہ بھی اس بات کی صاف دلیل ہے کہ نجد عراق ہی مراد ہے۔ اور راوی حدیث عبداللہ بن عمرؓ نے بھی اس حدیث کا مصداق عراق ہی کو قرار دیا ہے۔ اور کئی روایتوں میں عراق کی تصریح بھی آگئی ہے۔ تو باوجود اتنے دلائل کے پھر بھی نجد یمن ہی کو برا کہنا اور اسی کو فتنوں کی جگہ قرار دینا یہ ہٹ دھرمی نہیں تو کیا ہے اسکے علاوہ اور سنیئے امام نووی شرح مسلم جلد اول باب تفاضل اہل الایمان ورجحان اہل الیمن فیہ میں لکھتے ہیں۔ والمراد بذلك اختصاص المشرق بمزيد من تسلط الشيطان من الكفر كما قال في حديث آخر راس الكفر نحو المشرق یعنی قرن شیطان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ مشرق کی جانب شیطان کا تسلط اور کفر کا زور زیادہ ہوگا چنانچہ دوسری حدیث میں ہے۔ کہ سر کفر کا مشرق کی جانب ہے مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری حاشیہ بخاری میں علامہ عینی سے نقل کرتے ہیں۔ وانما اشار صلے اللہ علیہ وسلم الی المشرق لان اهله يومئذ اهل كفر فاخبر ان الفتنة تكون من تلك الناحية وكذلك كانت وهي وقعة الجمل ووقعة صفين ثم ظهور الخوارج في ارض نجد والعراق وما وراءها من المشرق یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کیطرف اشارہ اس لئے کیا۔ کہ اہل مشرق اس وقت کافر تھے۔ پس خبر دی کہ فتنے اس طرف سے ہونگے۔ اور اسی طرح ہوا۔ اور وہ واقعہ جمل اور صفین ہے۔ پھر خارجیوں کا ظہور نجد و عراق میں اور اس کے گرد و نواح میں مشرق کی جانب۔[1] اسی طرح مولوی احمد علی نے کرمانی سے نقل کیا ہے۔ اور اسی طرح فتح الباری کے صفحہ مذکور میں ہے نیز کنز العمال اور منتخب کنز الاعمال جلد ۵ کے صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔ حضرت عمرؓ نے عراق جانے کا قصد کیا تو کعب احبار نے کہا اے امیر المومنین عراق جانے سے میں آپ کو اللہ کے ساتھ پناہ دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیوں؟ کہا اس میں نو حصے شر ہے۔ اور وہاں نافرمان جنوں کے ہیں۔ اور ہاروت ماروت ہیں اور اس میں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں رواہ ابن عساکر۔

[1] اس حدیث کی اصل عبارت یہ ہے عن ابی ادریس قال قدم علينا عمر بن الخطاب الشام فقال ارید ان

اسی طرح کنز العمال کی جلد ۷ ص۲۲۲ میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ سب شہروں کی سیر کریں تو کعب احبار نے کہا۔ عراق میں نہ آویں۔ کیونکہ اس میں دس حصوں سے نو حصے شر ہے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نجد سے مراد نجد عراق ہے۔ مگر چونکہ نجدیوں نے قبے گرا دیئے ہیں۔ اس لئے قبہ پرستوں کو نجدیوں سے خاص عناد ہے۔ یہاں تک کہ ان کو اس بات کی بھی پرواہ نہیں کہ ابن سعود بنی تمیم ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی تمیم کی بابت فرماتے ہیں۔ کہ یہ دجال پر سخت ہونگے۔ اور حضرت عائشہ کے پاس بنی تمیم سے ایک لونڈی تھی فرمایا اس کو آزاد کردے کیونکہ یہ اولاد اسماعیل سے ہے۔ اور بنی تمیم کی زکوۃ آئی تو (بطور محبت کے) فرمایا یہ میری قوم کے صدقات ہیں۔ ابوہریرہ کہتے ہیں۔ جب سے میں نے یہ تین باتیں بنی تمیم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ ان کو دوست رکھتا ہوں۔ ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ ص۶۲۶ ناظرین خیال فرمائیں کہ صحابہ تو بنی تمیم سے محبت رکھیں لیکن ہماری بدقسمتی کہ ہم بجائے محبت کے دشمنی رکھیں۔ اور عیب صرف یہ کہ انہوں نے قبے گرائے۔ اور بری رسمیں مٹائیں جن کا سلف کے زمانہ میں نام ونشان نہ تھا۔ خیر نجدیوں کا ذکر تو بالتبع تھا۔ اصل مقصود یہ ہے۔ کہ بندے کا شریعت میں کوئی دخل نہیں قرآن وحدیث سے جو بات ثابت ہو۔ اور جس طریق پر ثابت ہو اس سے ذرا بھی کم وبیش نہ ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ہم نے اپنے رسالہ رد بدعات کے ص۹ سے ص۱۳ تک یہ ثابت کیا ہے۔ کہ عبارت میں تھوڑا سا دخل بھی اپنی طرف سے دینا لعنت کا سبب ہے جس سے انسان کا خاتمہ خراب ہو جاتا ہے۔ خدا جانے یہ لوگ کیوں نہیں ڈرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بسر کرنیکا نمونہ بنکر آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں مرضیات الہی کے طریقے بتلادیئے یہاں تک کہ پاخانہ پیشاب بیٹھنا بھی بتلایا۔ پھر کیوں ہم اپنی طرف سے نیا طریقہ بناکر بجائے نیکی حاصل کرنیکے۔ گناہ کا بوجھ اپنے ذمہ لیں۔ اللہ تعالے ہمارے بھائیوں کو ہدایت کرے۔ اور نیک راہ کی توفیق بخشے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلائے آمین۔

تعجب۔ رسالہ "الفقہ خیر" میں تقلید کے ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔ اور ص۳۲ میں کہا ہے کہ مسائل فقہ قرآن حدیث سے استنباط ہیں یعنی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہیں۔ اور صفحہ ۳۹ میں مُردوں کی روٹیوں وغیرہ پر زور دیا ہے حالانکہ فقہ میں بڑے زور شور سے ان روٹیوں کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ فقہا کی عبارتیں اوپر گذر چکی ہیں۔ اور کئی عبارتیں رسالہ رد بدعات کے ص۱۹-۲۰ میں نقل ہو چکی ہیں۔ کسقدر تعجب ہے۔ کہ لوگوں کو تقلید کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور خود غیر مقلدی اختیار کی جاتی ہے ؎

حیرتے دارم زدانشمند مجلس باز پرس — توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر میکنند

اس سے بڑھکر تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ اس رسالہ کے ص۶ میں تقلید کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ قرآن وحدیث

اس حدیث کی اصل عبارت یہ ہے اراد عمران لا یدع مصرا من الامصار الا اتاہ فقال لہ کعب الاحبار لا تاتی العراق فان فیہ تسعۃ اعشار الشر انتہی۔

کو ہم سمجھ نہیں سکتے اس لئے ہمیں اماموں کی تقلید کرنی چاہیے۔ اور خود جا بجا اس رسالہ میں قرآن و حدیث سے تقلید پہ استدلال کر رہے ہیں۔ گویا یہاں ان تین بیوقوفوں کا قصہ صادق آیا ہے۔ جو نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک ان سے بول پڑا۔ دوسرا کہتا ہے۔ تیری نماز ٹوٹ گئی۔ کیونکہ تو نماز میں بول پڑا تیسرا کہتا ہے میری نہیں ٹوٹی کیونکہ میں نہیں بولا۔ اور درحقیقت تینوں کی ٹوٹ گئی۔ یہی حال ہمارے بھائیوں کا ہے۔ قرآن و حدیث سے دلائل دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ یاللعجب وضیعتہ الادب۔ اس کے علاوہ جتنی آیتیں۔ حدیثیں اس رسالہ میں لکھی ہیں۔ ان کو تقلید شخصی سے کچھ تعلق نہیں۔ تقلید شخصی جس کا آج کل رواج ہے۔ وہ یہ ہے کہ حنفی شافعی کی نہیں مانتا۔ اور شافعی حنفی کی نہیں مانتا۔ اسی طرح حنبلی اور مالکی کا حال ہے۔ لوگوں نے دین کو چار مذہب میں بانٹ لیا ہے۔ کیا سلف کے زمانہ میں ایسا ہوا کیا سلف قرآن و حدیث سے واقف نہ تھے۔ یا ان کو قرآن و حدیث پر عمل کا شوق نہ تھا۔ جب یہ سب کچھ تھا۔ تو پھر اس قسم کی تقلید ان میں کیوں جاری نہ ہوئی؟ ہم نے اس رسالہ کو اول سے آخر تک دیکھا۔ اس میں کہیں اس کا ثبوت نہ پایا۔ بلکہ اس کا رد پایا چنانچہ اس رسالہ کے ص۹ میں صحابہ کی روش پر چلنے کی ترغیب دی ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ میں یہ تقلید نہ تھی بلکہ جب کسی کو ضرورت ہوتی۔ تو بغیر پابندی کسی مذہب کے جس سے چاہتا مسئلہ دریافت کر لیتا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ کے ص۱۵۷ میں اور مولانا عبدالعلی بحر العلوم نے فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت کے ص۶۲۳ میں اور ابن الہمام شارح ہدایہ نے تحریر کے آخر میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور قرآن میں بھی ارشاد ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اس آیت میں پوچھنے کے لئے ایک کو مقرر نہیں کیا پس اس رسالہ کو تقلید شخصی کا رد سمجھنا چاہیئے نہ اثبات۔

اگر اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل مطلوب ہو۔ تو ہمارا رسالہ تعریف اہلحدیث ملاحظہ کریں۔

تنبیہ۔ اس رسالہ میں (الفقہ خیر) نجدیوں کے بہت سے عقائد لکھے ہیں۔ جن میں سے بعض تو ان کے عقائد ہی نہیں محض ان پر بہتان ہیں۔ جیسے خدا کو جسم کہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کو مٹی کا کھا جانا بیس تراویح کو بدعت کہنا وغیرہ وغیرہ اور بعض ان کے عقائد تو ہیں مگر قرآن و حدیث کے موافق ہیں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات پا جانا اور آپ کا عالم الغیب نہ ہونا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پہ ہاتھ باندھ کر نماز کی صورت میں نہ کھڑے ہونا وغیرہ وغیرہ اور اس رسالہ کے ص۲۱ میں جو حضرت انس بن مالک کی بابت لکھا ہے۔ کہ وہ ہاتھ باندھ کر اس طرح کھڑے ہوتے۔ جیسے کوئی نماز پڑھتا ہے۔ تو یہ بالکل بے ثبوت ہے۔ اور حضرت انس پر افترا ہے۔ اگر کسی کو دعوی ہو تو بتلائے کہ یہ روایت کتب حدیث سے کس کتاب میں ہے ہاں یہ روایت حضرت انس سے احیاء العلوم جلد ۴ ص۴۹۱ میں ذکر کی ہے۔ عن ابی امامۃ قال رأیت انس بن مالک

اتی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوقف فرفع یدیہ حتی ظننت انہ افتتح الصلوٰۃ فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم انصرف یعنی ابی امامہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے انسؓ کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر آئے پس ٹھیرے پس ہاتھ اٹھائے یہاں تک میں نے خیال کیا۔ کہ نماز شروع کی۔ پس سلام کہا۔ پھر لوٹ گئے۔ لیکن اس روایت کا حال معلوم نہیں کہ صحیح ہے یا ضعیف پھر قبر کی تعظیم سے اس روایت کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ ابوامامہ کو نماز شروع کرنیکا شبہ تبھی پڑا کہ حضرت انسؓ نے قبر کی طرف سے منہ پھیر کر قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ پھر دعا کا ارادہ فسخ ہو گیا۔ اور صرف سلام کہکر لوٹ گئے۔ یا سلام کو دعا سمجھ کر ہاتھ اٹھائے۔ جیسے دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ مگر چونکہ قبر کی طرف سے منہ پھیر کر قبلہ رخ ہو گئے تھے۔ اس لئے نماز شروع کرنیکا شبہ ہوا اور اس کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں یہ صاف ہے۔ کہ وہ قبر کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اغاثۃ اللھفان میں ہے۔ قال سلمۃ بن وردان رأیت انس بن مالک یسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم یسند ظھرہ الی جدار القبر ثم یدعو یعنی سلمہ بن وردان کہتے ہیں۔ کہ میں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا ہے۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ڈالتے پھر پیٹھ قبر کی دیوار کی طرف کر کے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے) دعا کرتے۔ دیکھئے یہ روایت کیسی صاف ہے کیا قبر کی دیوار سے ٹیک لگانا یہ قبر کی تعظیم ہے۔ پھر ٹیک بھی پیٹھ کے ساتھ۔ اس کے علاوہ اور سنئے۔ مشکوٰۃ باب القیام میں حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی زیادہ محبوب نہ تھا۔ مگر آپؐ جب دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔ نیز اسی باب میں روایت ہے۔ کہ جس شخص کو اچھا لگے۔ کہ لوگ اس کی تعظیم کیلئے کھڑے رہیں وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔

خیال فرمائیں کہ جب آپکی حیات میں صحابہ تعظیم کیلئے کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ تو وفات کے بعد قبر پر کسطرح پسند کرینگے۔ پھر نماز کی طرح گویا جو تعظیم خدا کا حق ہے۔ وہ مخلوق کو دیتے تھے۔ معاذ اللہ صحابہ ایسے شرک کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ محض ان پر افترا ہے۔

تتمہ (۲۰)

درمعنی بدعت

بدعت کے لغوی معنے نئی کام کے ہیں جو پہلے پہل ہو۔ قرآن میں ہے بدایع السمٰوٰت والارض اللہ تعالےٰ آسمان وزمین کا پہلے پہل پیدا کرنے والا ہے یعنی پہلے کوئی آسمان وزمین نہ تھا۔ کہ اس کو دیکھکر خدا نے یہ آسمان و زمین پیدا کئے ہوں۔ بلکہ اس نے ان کو پہلے پہل پیدا کیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قل ماکنت بدعا من الرسل یعنی میں کوئی پیغمبروں سے نیا نہیں۔ اور مجھے یہ معلوم نہیں۔ کہ میرے اور تمہارے ساتھ کل کیا کیا جائے۔ حدیث میں تراویح کی بابت حضرت عمرؓ فرماتے ہیں نعمت البدعۃ ھذہ یعنی یہ تراویح اچھی بدعت ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن باجماعت پڑھاکر فرض ہونیکے خوف سے ترک کردی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی باجماعت متروک رہیں اور حضرت عمرؓ نے پھر نئے سرے سے ان کو باجماعت جاری کیا۔ اس لئے ان کو بدعت کہا اگر یہ لحاظ کیا جائے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن پڑھائی ہیں۔ اور ان کو ہمیشہ جاری رکھنا چاہتے تھے۔ مگر اس خوف سے کہ کہیں فرض نہ ہوجائیں ترک کردیں۔ تو اس لحاظ سے تراویح بدعت نہیں بنتیں۔ کیونکہ اس لحاظ سے یہ کام حضرت کے زمانہ میں اول نہیں رہتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ترک کے زمانہ سے لیکر حضرت عمرؓ کے نئے سرے سے جاری کرنے کے زمانہ کا لحاظ کیا جائے۔ تو اس لحاظ سے یہ بدعت ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہ کام نہیں ہوا۔ تو اس زمانہ کے لحاظ سے یہ اول ہوا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو بدعت کہنا اسی لحاظ سے ہے۔

یہ تو بدعت کے لغوی معنے ہوئے اب شرعی معنی سنئے۔ مشکوٰۃ کے صـ۳ میں حدیث ہے۔ ایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی نئی کاموں سے بچو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ مشکوٰۃ کے صفحہ ۲۷ میں حدیث ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا فھو رد یعنی جو دین میں نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ شرع میں بدعت وہ کام ہے۔ جس میں دو باتیں ہوں نیا بھی ہو اور دین میں بھی داخل ہو۔ اگر نیا ہو مگر دین میں داخل نہ ہو تو وہ شرع میں بدعت نہیں۔ جیسے علم معانی بیان اور نئی قسم کا کھانا یا لباس وغیرہ اور اگر دین میں داخل ہو مگر نیا نہ ہو تو وہ بھی بدعت نہیں۔ جیسے پانچ وقتی نماز اور ماہ رمضان کے روزے اور دیگر فرائض و نوافل وغیرہ جو شرع سے ثابت ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں سے پہلی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ بعض علماء اس حدیث میں سیئہ کی قید بڑھاتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ

حدیث میں ہر بدعت سے مراد بدعت سیئہ (بری) ہے۔ کیونکہ بعض نئے کام گمراہی نہیں جیسے علم معانی بیان وغیرہ اور نئی قسم کے کھانے لباس وغیرہ (جبکہ ان میں کفار سے مشابہت نہ ہو) اسی طرح تراویح با جماعت وغیرہ۔ مگر (سیئہ کی) قید کی ضرورت حدیث میں اس وقت ہے۔ جبکہ بدعت سے مراد حدیث میں بدعت کا لغوی معنی ہو۔ اگر شرعی معنی مراد ہو تو پھر اس قید کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ شرع میں ہر بدعت گمراہی ہے اور علم معانی بیان وغیرہ شرع میں بدعت نہیں۔ اس لئے گمراہی نہیں۔ چنانچہ اوپر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح تراویح باجماعت بھی شرع میں بدعت نہیں۔ کیونکہ شرع میں نئی نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین روز پڑھی ہیں۔ اور محض فرض ہونیکے خوف سے ترک کیں چنانچہ مسلم میں ہے۔ بلکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پڑھتے۔ مگر آپ کا ان کو درست رکھنا یا ترغیب دینا ثابت ہوتا تو بھی یہ بدعت نہ ہوتیں۔ کیونکہ شرع میں نیا کام وہ ہوتا ہے جو کسی طرح سے ثابت نہ ہو۔ مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۷۹ میں حدیث ہے۔ کہ عرفہ کے روزے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ ایک سال پہلے کے ایک پچھلے کے حالانکہ رسول اللہ سے رکھنا صحیح ثابت نہیں اور مسلم باب استحباب الضحیٰ میں حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیدع العمل وھو یحب ان یعمل به خشیة ان یعمل به الناس فیفرض علیهم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بعض دفعہ) عمل کو چھوڑتے تھے۔ حالانکہ اس کو دوست رکھتے تھے۔ اس ڈر سے کہ کہیں لوگوں کے عمل کی وجہ سے فرض نہ ہو جائے۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے پھر افسوس کیا کہ نہ داخل ہوتا تو اچھا ہوتا۔ تاکہ امت کو میرے بعد مشقت نہ ہوتی۔

غرض اگر کوئی کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو۔ مگر شرع میں کسی طرح سے اس کا اچھا ہونا ثابت ہو یا کرکے کسی عارضہ سے چھوڑ دیا ہو۔ وہ شرع میں نیا نہیں اور جب نیا نہ ہوا تو وہ شرع میں بدعت نہ ہوا۔ اگرچہ لغوی معنے کے رو سے اس کو بدعت کہیں جیسے تراویح کو عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت کہا۔ حالانکہ شرع میں وہ بدعت نہیں۔ اور سنئے مشکوٰۃ کے صفحہ ۲۷ میں مسلم کی حدیث ہے۔ اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل بدعة ضلالة یعنی بہتر کلاموں کی اللہ کی کتاب ہے۔ اور بہتر طریقوں کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اور بدتر کاموں کے نئے کام ہیں اور ہر نیا کام گمراہی ہے۔

اس حدیث میں کتاب اللہ اور طریقہ محمدی کی بہتری بیان کرنے کے بعد نئے کاموں کی برائی بیان کرنا اس سے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ شرع میں نئے کام وہ ہیں۔ جو نہ کتاب اللہ سے ثابت ہوں۔ نہ طریقہ محمدی میں داخل ہوں اور جو اس طرح کے نئے ہوں۔ ان کے گمراہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پس

ثابت ہوا کہ شرع میں ہر بدعت گمراہی ہے اس میں سیئہ کی قید صحیح نہیں۔
یہانتک بدعت کے لغوی اور شرعی معنے واضح ہو گئے اب اس سے زیادہ تفصیل کی ضرورت تو نہ تھی مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہر مذہب والا اس بات کا مدعی ہے۔ کہ اس کا مذہب کتاب اللہ سے ثابت ہے اور طریق محمدی کے موافق ہے۔ اس لئے ہم تھوڑی سی تفصیل اس کی اور کئے دیتے ہیں۔ تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہو جائے۔ بس سنئے۔

مشکوٰۃ کے ص۲۹ میں حدیث ہے من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ یعنی جو شخص میرے بعد تم سے زندہ رہیگا وہ بہت اختلاف دیکھیگا۔ پس میری اور میرے راشد خلیفوں کی سنت کو لازم پکڑو اور ڈاڑھوں سے اس کو تھامے رہو۔ اور نئے کاموں سے بچو کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اس حدیث سے پہلی حدیث (یعنی حدیث اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ) میں کتاب اللہ اور طریق محمدی کا خیر ہونا بیان کر کے اسطرف اشارہ کیا تھا۔ کہ نئے کاموں سے بچنا ہو۔ تو کتاب اللہ اور طریق نبوی کو لازم پکڑو۔ اور اس حدیث میں اپنے طریق کے ساتھ خلفاء راشدین کے طریق کو بھی ملا لیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خلفاء راشدین کا طریق آپکے طریق سے الگ نہیں۔

ایک اور حدیث میں آپنے دیگر صحابہ کو بھی داخل کر لیا ہے۔ چنانچہ ناجی فرقے کی بابت سوال ہوا تو فرمایا ما انا علیہ واصحابی۔ مشکوٰۃ ص۳۰ یعنی "جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں" پس معلوم ہوا کہ سلف کی روش پر چلنے والا بدعات سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اور سنئے۔ مسلم میں ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر حج فرض کیا گیا۔ ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ ہر سال آپ نے فرمایا اگر میں کہہ دیتا۔ کہ ہاں تو ہر سال واجب ہو جاتا۔ اور تم طاقت نہ رکھتے پھر فرمایا کہ جب تک میں تمہیں چھوڑ دوں تم بھی مجھے چھوڑ دو (یعنی سوال نہ کرو) پہلی امتیں صرف اپنے نبیوں پر کثرت سوال اور کثرت اختلاف سے ہلاک ہوئیں۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو حتی الوسع اس کو کرو۔ اور جس بات سے روکوں اس سے رک جاؤ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت میں تکلف نہیں۔ جیسے سیدھا سادھا کلام وارد ہو۔ عام عرف کے مطابق جو کچھ اس سے سمجھ میں آوے۔ اس پر عمل کرنا چاہئے زیادہ کرید اور عقلی احتمالات پیدا کرنا شارع کو پسند نہیں جیسے اس سائل نے عقلی احتمال پیدا کر کے کہا تھا۔ کہ ہر سال؟ حالانکہ عام عرف کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب صاف تھا

مثلاً جب کسی کو کوئی کہے کہ وہاں سے ہو آ اگر وہ وہاں سے ہو آئے۔ تو حکم کی تعمیل ہو گئی۔ اب اس میں یہ تردد ظاہر کرنا کہ شائد پھر جانا پڑے یہ فضول ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سوال کو برا سمجھا اور یہ بات کوئی معمولی نہیں۔ بلکہ شریعت کا اصل الاصول ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین۔ یعنی کہدے کہ میں تم سے اس سنانے پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا۔ اور نہ میں تکلف کرنیوالوں سے ہوں۔

آج کل یہ بیماری عام ہو گئی اور طبائع میں یہ ایسی سرائت کر گئی ہے۔ کہ تکلف عدم تکلف میں تمیز ہی مشکل ہو گئی ہے۔ ہر ایک فرقہ اپنے طور پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہی مطلب صحیح ہے جو میں نے سمجھا ہے۔ سلف میں یہ بات نہ تھی۔ وہ ہمیشہ اسی سادی حالت پر رہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند تھی۔ اسی بنا پر ہم سلف کی اتباع کے مامور ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔ والذین اتبعوھم باحسان الآیۃ یعنی جو اخلاص کے ساتھ ان کی تابعداری کریں اللہ ان سے راضی ہو گیا۔ حدیث میں ہے۔ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ یعنی میرے بعد ابو بکر اور عمر کی تابعداری کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے جو اوپر گذر گئی ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین یعنی میری اور میرے راشد خلیفوں کی سنت کو لازم پکڑو۔

المقاصد الحسنہ للسخاوی کے صـ۳۶۷ میں ہے۔ عن ابن مسعود رض قال ان اللہ نظر فی قلوب العباد فاختار محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فبعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد فاختار لہ اصحابا فجعلھم انصار دینہ ووزراء نبیہ فما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راٰہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح وھو موقوف حسن (احمد فی کتاب السنۃ والبزار والطیالسی والطبرانی وابو نعیم فی ترجمۃ ابن مسعود من الحلیۃ والبیہقی فی الاعتقاد من وجہ اخر) یعنی ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوۃ کے لئے چن لیا۔ پھر بندوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد کے لئے اصحاب چن لئے جو خدا کے دین کے مددگار اور اس کے نبی کے وزیر تھے۔ پس جس امر کو مسلمانوں نے اچھا دیکھا۔ پس وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے۔ اور جس امر کو برا دیکھا وہ اللہ کے نزدیک برا ہے۔

بعض لوگ اس روایت کا صرف اتنا ٹکڑا ذکر کر کے ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن کہا کرتے ہیں۔ کہ ختم مولود وغیرہ یہ افعال اللہ کے نزدیک بھی اچھے ہیں۔ مگر اس مفصل روایت سے ناظرین کو معلوم ہو چکا۔ کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی مراد مسلمانوں سے صحابہ ہیں۔ نیز دارمی کے صـ۳۸ میں روایت ہے جو مندا میں

پہلے گذر چکی ہے۔ کہ ایک قوم نے ذکر کا نیا طریق نکالا۔ حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں سو سو کنکر ہوتے۔ ایک شخص درمیان بیٹھتا وہ کہتا سو دفعہ اللہ اکبر پڑھو وہ پڑھتے پھر کہتا سو دفعہ لا الٰہ الا اللہ پڑھو وہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے اسی طرح سبحان اللہ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو پتہ لگا۔ توان کو بہت لعن طعن کی اور کہا کہ تمہیں ہلاکت ہو۔ ابھی سے تم نے دین کو بدلنا شروع کر دیا اور گمراہی کا دروازہ کھول دیا۔ ابھی محمدؐ کے صحابہ کثرت سے موجود ہیں۔ اور آپ کے برتن کپڑے وغیرہ موجود ہیں۔ دیکھئے نئے طریقے سے ذکر کرنے کو گمراہی فرمایا۔ اگر عبداللہ بن مسعودؓ کے نزدیک ما راٰہ المسلمون عام ہوتا تو اس طریق ذکر کو گمراہی کیوں فرماتے کیونکہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔ اس کو انہوں نے اچھا سمجھا۔ اور ہر فرقہ جو کچھ کرتا ہے سا اپنے خیال میں اچھا کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ما راٰہ المسلمون حسنا عبداللہ بن مسعود کے نزدیک عام نہیں۔

اس کے علاوہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لاتومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم اللہ لصحبة نبیه ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوا علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسیرهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم

یعنی جو اقتدا کرنا چاہے۔ وہ فوت شدہ لوگوں کی اقتدا کرے کیونکہ زندہ فتنے سے امن میں نہیں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ اس امت کے افضل تھے۔ اور دلوں کے لحاظ سے اس امت کے نیکوکار تھے۔ اور علم کے لحاظ سے بہت گہرے تھے۔ اور تکلف کے لحاظ سے بہت کم تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت اور دین کے قائم کرنے کیلئے پسند کر لیا پس ان کا فضل پہچانو اور ان کے آثار کے پیچھے جاؤ اور ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے حتی الوسع پنجہ مارو۔ کیونکہ وہ سیدھے راستہ پر تھے۔

دارمی کے ص۲۳ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فان جاءك ما لیس فی کتاب اللہ ولم یقض به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فلیقض بما قضی به الصالحون یعنی جس بات کا خدا رسول نے فیصلہ نہ کیا ہو۔ اس کا فیصلہ اسطرح کرے جسطرح نیکوں نے کیا۔

ہاں اگر ما راٰہ المسلمون حسنا کو اجماع پر عمل کریں اور عبداللہ بن مسعود کی مراد کی بھی پرواہ نہ کریں تو عام ہو سکتا ہے۔ مگر آج تک تقلید شخصی پر تو اجماع نہیں ہوا۔ چہ جائے کہ کسی اور بدعت پر ہو اور نہ ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق یعنی ہمیشہ میری امت سے ایک فرقہ حق پر رہیگا۔ ۱۲

تاریخ الخلفاء کے ص ۲۳۹ میں ہے۔ قال عمر بن عبد العزیز خذ وامن الرای مایصدق من کان قبلکم ولا تاخذوا ما هو خلاف لهم فانهم خیر منکم واعلم۔ یعنی عمر بن عبد العزیز تابعی فرماتے ہیں کہ رائے وہ لو جسکی تصدیق پہلے لوگ کریں۔ اور جو بات ان کے خلاف ہو۔ وہ نہ لو کیونکہ وہ تم سے بہتر اور زیادہ علم والے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں۔ اما لغة القرآن فینبغی اخذ ها من استعمال العرب الاول ولکن الاعتماد الکلی علی آثار الصحابة والتابعین (الی ان قال) واما المعانی والبیان فهو علم حادث فما یفهم منه فی عرف جمهور العرب فهو علی الرأس وما کان من امر خفی لایدرکه الا المتعمقون من اهل الفن فلا نسلم ان یکون مطلوبا فی القرآن۔ انتهی۔

یعنی لغت قرآن کو استعمال عرب اول سے لینا چاہیے۔ لیکن اعتماد کلی اقوال صحابہ اور تابعین پر ہے۔ اور علم معانی بیان صحابہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ تو جو ان سے جمہور عرب یعنی عام عرف کے موافق سمجھا جائے۔ وہ مقبول ہے۔ اور جس کو صرف تکلف کرنے والے اہل فن سمجھتے ہیں۔ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ وہ بھی قرآن میں مفید ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ہر ایک معاملہ میں صحابہ سلف کو مقدم سمجھنا چاہیے۔ اور ان کی روش کو اپنا نصب العین بنانا چاہیے۔ قرآن شریف کا مطلب جو کچھ انہوں نے سمجھا وہی درست ہے۔ اور احادیث پر جسطرح سے انہوں نے عمل کیا وہی مسلک صحیح ہے۔ کیونکہ ان کی طبیعتوں میں سادگی تھی۔ اور دلوں میں پرہیزگاری تھی جو کام ان کی روش کے خلاف ہو۔ اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ خواہ تقلید شخصی ہو۔ جو موجب شقاق بنی ہوئی ہے یا مولود مروج ہو یا ختم مروج ہو یا خاص خاص دنوں میں میت کی روٹی ہو یا قبریں پختہ بنائی جائیں۔ یا ان پر قبے کھڑے کیے جائیں۔ یا ان پر غلاف وغیرہ چڑھائے جائیں۔ یا اس قسم کے اور کام کیے جائیں۔ جو سلف سے ثابت نہیں نہ خیر قرون میں ان پر عمل ہوا۔ یہ سب بدعات میں داخل ہیں۔ چنانچہ اوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کی روش پر چلنے کی توفیق دے اور انہی کی روش پر مارے۔ آمین۔

تمام شد

کتب تصنیفات مولانا حافظ عبداللہ صاحب امرتسری (مولوی فاضل)

اطفاء الشمعہ یہ رسالہ جمعہ کے مسئلہ میں لکھا گیا ہے۔ حنفیہ کے تمام رسائل کا عموماً اور مولوی احمد علی لاہوری اور مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمود حسن دیوبندی اور ظہیر احسن نیموی کا خصوصاً جواب ہے۔ جہاں سے اس بحث کی ابتدا ہوئی اور جہاں ختم ہوئی اس کی پوری تفصیل ہے۔ نیز ظہر احتیاطی کا مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ اس رسالہ کے چار حصے ہیں۔ حصہ سوم و چہارم زیر تجویز طبع ہیں۔ حصہ اوّل و دوم چھپ چکے ہیں۔ حصہ اول و دوم کی قیمت عہ۔ لیکن حصہ دوم ختم ہے۔

درایت تفسیری آجکل خصوصیت کے ساتھ کچھ ایسی آزادی ہوگئی ہے۔ کہ ہر فرقہ قرآن سے استدلال کرتا ہے اور توڑ مروڑ کر اپنے موافق کرلیتا ہے۔ اس رسالہ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کن اصولوں پر تفسیر کرنی چاہیئے۔ اور صحیح تفسیر کونسی ہوگی۔ نہایت مدلل رسالہ ہے۔ اس کے شروع میں مسئلہ تقلید کی پوری تنقید ہے۔ قیمت ۸ر

الکتاب المستطاب فی رد فصل الخطاب یہ رسالہ مولوی انور شاہ صاحب کے رسالہ فصل الخطاب کا جواب ہے اس میں مولوی انور شاہ کے لفظی اور معنوی اغلاط کا نقشہ کھینچا ہے جس کو دیکھکر حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے۔ اس رسالہ کی مدت سے لوگوں کو انتظار تھی۔ سو الحمدللہ چھپ گیا۔ قریباً ۲۷۸ صفحہ کا ہے قیمت عہ۔

رسالہ زیارت قبر نبوی اس میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ زیارت قبر نبوی کی نیت سے سفر کرنا کیسا ہے اور جائز طریق کونسا ہے۔ قیمت ۱ر

نبی معصوم یہ ایک مختصر رسالہ ہے۔ عیسائیوں کے ایک رسالہ کا جواب ہے جس میں عیسائیوں نے قرآن مجید سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گنہگار ہونا اور عیسیٰ علیہ السلام کا پاکدامن ہونا ثابت کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی شفیع بننے کے قابل ہیں نہ کوئی اور۔ اس رسالہ میں عیسائیوں کی اس بات کا جواب دیکر آخر میں دس سوال کئے ہیں جنکا جواب عیسائیوں کے پاس نہیں۔ قیمت ۱ر

اہلحدیث کے امتیازی مسائل اس رسالہ کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں کیا مسائل ہیں اور اس کو مولوی اشرف علی کے رسالہ الاقتصاد کا مکمل جواب بھی علاوہ

اہل سنت کی تعریف۔ اس رسالہ کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ کیسا ضروری رسالہ ہے۔ یہ کتاب چار سو ۴۰۰ صفحات سے زائد کی ہے مفت ہے۔ صرف ۲ر اشاعت فنڈ کے اور ۳ر محصولڈاک ادا کرنے پڑیں

اہل حدیث کی تعریف۔ اس رسالہ کے دو حصے ہیں ایک چھپ چکا ہے جسکی قیمت ۱۴ر ہے

ملنے کا پتہ:- ناظم مدرسہ اہل حدیث روپڑ ضلع انبالہ

کے مسئلہ کے متعلق ہے۔ قیمت ۱ر